العطايا النعيمية في الفتاوى النورية

اہل سنت کا نشان
ماہنامہ بقیع کراچی
JULY 2026
مفت سلسلہ اشاعت نمبر 385
Regd. # MC-1177

# فتاویٰ عطائے اہل سنّت

## (چھٹا حصّہ)

مُصنّف
شیخ الحدیث ڈاکٹر مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ
(شیخ الحدیث جامعۃ النور و رئیس دار الإفتاء النور)

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان
Ph : 021-32439799 Website : www.ishaateislam.net
نور مسجد کاغذی بازار کراچی ۷۴۰۰۰

العَطايَا النعِيميَّة فِي الفَتاوى النُّوْرِية

# فتاوی عطائے اہل سنت

(چھٹا حصہ)

مُصنّف

شیخ الحدیث ڈاکٹر مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ

(شیخ الحدیث جامعۃ النّور و رئیس دار الإفتاء النّور)

ناشر

جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد کاغذی بازار کراچی ۷۴۰۰۰

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب : العَطایَا النعِیمیَّة فِي الفَتاوی النُّوْرِیة

فتاویٰ عطائے اہل سنت (چھٹا حصہ)

سن اشاعت : محرم الحرام ۱۴۴۸ھ / جولائی 2026ء

ناشر : جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد، کاغذی بازار میٹھادر، کراچی

فون: 021-32439799

خوشخبری : یہ رسالہ www.ishaateislam.org پر موجود ہے۔

# فہرست

پیش لفظ ........................................ -5-
افضلیتِ ابو بکر صدیق و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور شیخین پر تبرّا ............ -10-
رسول کی بعثت کا مقصد ........................................ -14-
فرض نماز میں قعدۂ اُولی بھول کر ........................................ -20-
کھڑے ہونے کی صُورتیں اور اُن کے احکام ........................................ -20-
مسجد میں عورتوں کی جماعت ........................................ -33-
نمازِ تراویح میں ایک سے زائد اِماموں کی امامت ........................................ -37-
چند سالوں کے قضا روزوں کی نیّت ........................................ -40-
حیلۂ شرعیّہ کا دائرہ کار ........................................ -45-
رمی قربانی اور حلق کے بعد طوافِ زیارۃ کا حکم ........................................ -49-
نکاح میں دولہا حاضر نہ ہو تو ........................................ -52-
عدّت کا خرچہ کس پر اور عورت عدّت کہاں گزارے گی؟ ........................................ -55-
عورت عدت کہاں گزارے گی نان نفقہ ........................................ -59-
اور بچے کا خرچہ کس کی ذمہ داری ہو گی؟ ........................................ -59-
اُردو زبان میں لفظ ”چھوڑنا“ سے طلاق ........................................ -65-
زبردستی طلاقِ شرعی اور غیر شرعی کا حکم ........................................ -70-
تین طلاقوں کے بعد نکاح کا حکم ........................................ -75-
تم میری طرف سے آزاد ہو، سے کون سی طلاق واقع ہو گی؟ ........................................ -79-

حالتِ غصہ میں طلاق کا حکم ........................................ -83-
رضاعت کی مدت اور اُس کی حُرمت کا حکم ........................................ -84-
اوقافِ مسجد کی بیع کا حکم نیز بیعانہ کی رقم ضبط کرلینا جائز ہے یا نہیں؟ ........ -89-
مسجد کی دکان کے کرایہ کا حکم ........................................ -93-
باپ اور بیٹے کی کاروبار میں شراکت ........................................ -104-
لے پالک بچے کی ولدیت، وصیّت اور اس سے پردے کا حکم ........................................ -106-
ہبہ میں مرد و عورت حصّہ میں برابر ہیں ........................................ -114-
عورت کا ساس کی خدمت کرنا ........................................ -119-
عورت کا بِلا اجازت شوہر رشتہ داروں کے ہاں ٹھہرنا ........................................ -123-
رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جھنڈوں کا رنگ ........................................ -128-
ایک دن میں پورا قرآنِ پاک پڑھنا کیسا؟ ........................................ -131-
مسجد میں کسی نیک کام کے لئے مالی مُعاونت کے اعلان کا حکم ........................................ -135-
ماخذ و مراجع ........................................ -136-

# پیش لفظ

نحمده و نصلّی ونسلّم علی رسولِه الکریم ﷺ

اللہ عزّوجلّ کے فضل اور رسولِ اکرم ﷺ کے فضل و کرم سے امتِ مسلمہ میں صاحبانِ علم و فضل ہر دور میں موجود رہے ہیں اور تقریر وبیان، قلم و قرطاس کے ذریعے آنے والی نسلوں کی علمی آبیاری کرتے رہے ہیں۔ علم عُلماء کے پاس اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی امانت ہوتا ہے۔ اِس امانت کو بحفاظت اگلی نسلوں کو منتقل کرنا امت کے ان امین عُلماء کی ذمہ داری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم اپنے اکابرین کی علمی کارناموں کو پڑھتے اور دیکھتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے بڑی کامیابی کے ساتھ اِس امانت کو اُن کے مستحقین تک پہنچایا ہے۔ کہیں تدریس و تقریر کے ذریعے، کبھی تحریر و تصنیف کے ذریعے اور کسی مقام پر تقریر کے ذریعے۔ اِن تینوں ذرائع میں سے تحریر تادیر قائم رہنے والی شئے ہے۔

تحریری صورت میں سے ایک طریقہ استفتاء اور افتاء کا بھی ہے، اِستفتاء کا لغوی معنیٰ سوال کرنا اور اصطلاح میں حکمِ شرع معلوم کرنے کو اِستفتاء کہتے ہیں۔ جبکہ اِفتاء کا لغوی معنیٰ ہے "جواب دینا، اور اصطلاح میں حکمِ شرع سے آگاہ کرنے کو اِفتاء کہتے ہیں۔

اہل اسلام کا عُلماء ومفتیانِ کرام کی بارگاہ میں سوال کرنا اور مُفتیانِ عِظام کا جواب مرحمت فرمانا قدیم دستور ہے، پھر مفتیانِ کرام کے دیئے گئے جوابات کا مجموعہ بنایا جاتا ہے تاکہ ہر عام وخاص اِس سے فیض یاب ہو سکے،

اب مسئلہ یہ پیش آتا ہے کہ کس سے مسائل پوچھے جائیں؟ تو اِس سلسلے میں قرآن کریم ہماری بہترین رہنمائی فرماتا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. [1]

ترجمہ: تو اے لوگوں علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔ (کنز الایمان).

کیونکہ عالم کا مقام بہت بُلند بالا ہے اور جاہل کبھی عالم کے برابر نہیں ہو سکتا۔

جیسا کہ اللہ عزّوجلّ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ۠ [2]

ترجمہ: تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔ (کنز الایمان)

آیتِ مذکورہ سے فقہ کی اہمیت و فوقیت ظاہر و باہر ہے، چنانچہ اِس آیت کے تحت حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفیٰ ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ عابد سے عالم دین افضل ہے۔ ملائکہ عابد تھے اور آدم علیہ السلام عالم۔ عابدوں کو عالم کے سامنے جھکایا گیا یہاں مطلقاً ارشاد ہوا کہ عالم غیر عالم سے افضل ہے، غیر عالم خواہ عابد ہو یا غیر عابد بہر حال اِس سے عالم افضل ہے۔ خیال رہے کہ عالم سے مراد عالم دین ہیں۔ انہیں کے فضائل قرآن و حدیث میں وارد ہوئے۔ اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام ازواج مطہّرات بلکہ تمام جہاں کی بیبیوں سے افضل ہیں کہ بڑی عالمہ ہیں۔ (تفسیر نور العرفان)

---

[1] النحل: ۱۶/ ۴۳
[2] الزمر: ۳۹/ ۹

اور حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اُسے دولتِ بے بہا یعنی معرفتِ فقہ عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵٦ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں:قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ : سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ خَطِيبًا يَقُولُ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللهُ يُعْطِي. (1)

یعنی: حضرت حمید بن عبد الرحمن نے کہا کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطاب فرماتے ہوئے سنا، اُنہوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اُسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور بلاشبہ میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے۔

دار الافتاء النّور کے تمام ہی مفتیانِ کرام کے استادِ محترم، رئیس دارالافتاء النّور و شیخ الحدیث جامعۃ النّور ڈاکٹر مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی زید علمہ و شرفہ تیس سال سے زائد عرصے سے مسندِ اِفتاء پر فائز ہیں۔ آپ عظیم عالم و مفتی ہیں۔ آپ کے فتاویٰ عوام و خواص میں بے حد مقبول ہیں۔ بالخصوص علماء آپ کے حج و عمرہ اور طلاق کے متعلق فتاویٰ کو ترجیحی نظر سے دیکھتے ہیں۔

ایک فقیہ کے لئے مختلف علوم و فنون میں رُسوخ و مہارت کے علاوہ ذہانت و فراست، مجتہدانہ بصیرت اور اپنے عہد کے رسوم و عادات سے گہری واقفیت ضروری ہے۔ باکمال فقیہ اور صاحبِ نظر مفتی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے وہ سوالات کے

---

(1) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ برقم: ۷۱، ۱/ ۲۷

بین السطور سے سائل کا ذہن پڑھ لے کہ استفتاء سے اس کا مقصد فتوے پر عمل کرنا ہے یا اسے کسی مقصد کے لئے استعمال کرنا ہے۔ یہ وہ فن ہے جو کسی کتاب میں پڑھایا نہیں جاتا بلکہ صرف فراست ایمانی کے الہام سے حاصل ہوتا ہے۔ اور فتاویٰ عطائے اہلسنت کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ استاذِ محترم عطائے ملّت حضور استاذ گرامی شیخ الحدیث و مفتی ڈاکٹر محمد عطاء اللہ نعیمی زید علمہ وشرفہ بیک وقت بیدار مغز مفتی وفقیہ، راسخ العلم استاذ معقولات ومنقولات کے متبحر عالم دین ہیں۔ فقہ میں انکی شان بہت بلند ہے۔

ہمارے استاد کی یہ انفرادیت ہے کہ فتاویٰ عطائے اہلسنّت میں عربی عبارات کا ہر اعتبار سے مکمل حوالہ دیتے ہیں۔ باب ہو یا فصل، شارح نے کس لفظ کی شرح کی ہے یا مُحشّی کا باندھا گیا مطلب ہو یا کس مکتبہ کا مطبوعہ ہے اور کس سن میں یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ اور آپ ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے کُتب ورسائل میں تفصیلی حوالہ جات تحریر کرنے کو رواج دیا۔ تاکہ اگر قارئین کرام اُن کُتُب کی طرف رجوع کرنا چاہیں، جن کے حوالہ جات دیئے گئے ہیں تو مطبوعات کے مختلف ہونے کے باوجود آسانی سے مطلوبہ عبارات تک پہنچ سکیں۔ اِس کے ساتھ کُتبِ تفاسیر، شروحِ احادیث اور کُتبِ فقہ کے مصنفین کی تاریخ وفات بھی دے دی گئی ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ فتاویٰ عطائے اہلسنّت میں جن کُتُب کا حوالہ دیا گیا ہے وہ ہر مکتب فکر کے نزدیک مستند ہیں۔ تو اس طرح اِن شاء اللہ العزیز قارئین کو زیادہ تسلّی اور اطمینان حاصل ہو گا۔

اِسی طرح فتاویٰ عطائے اہلسنت کی عبارت میں مروّجہ اُردو زبان کے لب ولہجہ کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ جو کہ ہمارے استاد محترم ڈاکٹر مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی زید علمہ وشرفہ کا خاصّہ ہے۔ قرآن واحادیث اور اقوال مجتہدین کے حوالہ جات سے جَوابات کو مزین کرنے کے ساتھ ساتھ استادِ محترم اِس بات کا بھی خصوصی اہتمام فرماتے ہیں کہ عبارت سادہ مگر دلنشین ہو اور تمام قارئین بھی استفادہ کر سکیں۔ اِن ہی چند وجوہات کے سبب بفضل الٰہی اور بطفیل رسول اکرم محبوب معظم ﷺ اُستادِ محترم کے فتاویٰ جات ہر خاص وعام میں مشہور ومقبول ہیں۔

آپ کے فتاویٰ کے پانچ حصّے "فتاوی عطائے اہلسنت شائع ہو چکے ہیں اور اب چھٹا حصہ شائع ہو رہا ہے، اور اِن شاء اللہ اِس کے بعد بھی کئی حصے شائع ہوں گے۔ اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اِس حصّے کو بھی استادِ محترم عطائے ملّت حضور استاذ گرامی شیخ الحدیث و مفتی ڈاکٹر محمد عطاء اللہ نعیمی زید علمہ وشرفہ کی دیگر کُتب ورسائل اور فتاویٰ جات کی طرح نافع خلائق بنائے، قبولیتِ عامّہ عطا فرمائے اور عُلمائے کرام، مُعلّمین و مُتعلّمین اور ہر خاص وعام کے لئے نہایت مفید ثابت ہو۔ قیامت تک لوگ اِس عظیم فقہی وعلمی ذخیرے سے فیض یاب ہوتے رہیں اور اُستادِ محترم کیلئے صدقہ جاریہ اور ترقیِ درجات کا ذریعہ بنے۔ اور اُستادِ محترم کا سایہ ہم پر تادیر قائم ودائم فرمائے۔ آمین

محمد عرفان اختری قادری نعیمی

المتخصص فی الفقه الإسلامی بدار الإفتا النّور
جمعية إشاعة أهل السنّة، باكستان

# افضلیتِ ابو بکر صدیق و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اور شیخین پر تبرّا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ کے بارے میں کہ اہلِ تشیع کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل کہنا کلمہ کفر ہے یا نہیں کیونکہ یہ تبرّا ہے؟ (سائل: حافظ محمد فیصل، جمشید روڈ، کراچی)

باسمہٖ تعالٰی وتقدّس الجواب یہ کلمہ تبرّا ہے، جو فقہاءِ کرام کے نزدیک کُفر ہے اور متکلمین کے نزدیک کُفر نہیں؛ کیونکہ فقہاءِ کرام لُزومِ کُفر کو کُفر کہتے ہیں جبکہ متکلمین صرف التزامِ کُفر کو کُفر کہتے ہیں۔

چنانچہ صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: تبرّا کا مسئلہ بے شک نیا مسئلہ نہیں، مگر اِس کی وجہ سے تکفیر قطعی نہیں، فُقہائے کرام اِس کی وجہ سے تکفیر کرتے ہیں کہ اُن کے یہاں لُزوم والتزام کا فرق نہیں اور یہ اُن کے مسلک کے موافق بھی ہے کہ فقہ میں حکم بربنائے ظاہر ہوتا ہے اور متکلمین تکفیر نہیں کرتے، یہ لُزومِ کُفر کو کُفر نہیں کہتے صرف التزامِ کُفر کو کُفر کہتے ہیں اور یہ اُن کے مسلک کے مطابق ہے؛ کیونکہ یہ لوگ تدقیق سے کام لیتے ہیں اور اِس کا تقاضا یہی ہے کہ تکفیر نہ کی جائے اور یہی مسلک اَسلم ہے اور محققین نے اِسی کو اختیار کیا ہے۔ (1)

اور لُزومِ کفر اور التزامِ کُفر میں فرق ہے، جیسا کہ مندرجہ بالا سُطور سے ثابت ہوا اور لزومِ کُفر اور التزامِ کُفر کی تشریح کرتے ہوئے صدر الشریعہ لکھتے ہیں

---

(1) فتاویٰ امجدیہ، کتاب السیر، روافض کی قسمیں، ۴/ ۴۵۲

:اقوالِ کُفریہ دو قسم کے ہیں:ایک وہ جس میں کسی معنیٔ صحیح کا بھی احتمال ہو۔ دوسرے وہ کہ اُس میں کوئی ایسے معنی نہیں بنتے جو قائل کو کُفر سے بچادے۔ اِس میں اول کو لزومِ کُفر کہا جاتا ہے اور قسم دوم کو التزام، لزومِ کُفر کی صُورت میں بھی فُقہاءِ کرام نے حکمِ کُفر دیا مگر متکلمین اِس سے سُکوت (خاموشی اختیار) کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:جب تک التزام کی صُورت نہ ہو قائل کو کافر کہنے سے سُکوت کیا جائیگا اور اَحوط یہی مذہبِ متکلمین ہے۔ ❶

اور فُقہائے کرام نے ایسے شخص کی تکفیر، صریح الفاظ میں کی ہے جو شَیخَین کو بُرا کہے یا اُن پر لعنت کرے۔

چنانچہ علّامہ افتخار الدین طاہر بن عبد الرشید بخاری حنفی متوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں اور اُن کے حوالے سے علّامہ حافظ الدین محمد بن محمد بزّاز کردری حنفی متوفی ۸۲۷ھ نقل کرتے ہیں: وفِی "الخُلاصة" الرَّافِضِی إنْ کان یَسبُّ الشَّیخَینِ و یَلعَنها فَهُو کافرٌ و إنْ کان یُفضِّل علیًا عَلیْهما فَهُو مُبتدِعٌ. ❷

یعنی:اور "خلاصة" ❸ میں ہے کہ اگر رافضی شیخین (حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کو گالیاں دے اور اُن پر لعنت کرے تو وہ کافر ہے اور اگر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دیتا ہے تو وہ بدعتی ہے۔

---

❶ فتاویٰ امجدیہ، کتاب السیر، روافض کی قسمیں، ۴/ ۵۱۲-۵۱۳

❷ الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاوی الهندیة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً أو خطأً، نوع فیما یتصل بها مما یجب إکفاره من أهل البدع، ۶/ ۳۱۹

❸ خُلاصة الفتاویٰ، کتاب ألفاظ الکفر، و مایتصل بهذا، ۴/ ۳۸۱

اور یہاں تک کہ مطلقاً اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو گالیاں دینے والے کے بارے میں بھی فُقہائے کرام نے حکمِ کُفر لکھا ہے۔

چنانچہ علّامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی متوفی ۸۷۹ھ لکھتے ہیں: وقال أحمد: نَحكمُ بكُفر هؤلاء إذا غلوا بأن شبّهوا أو جسمُوا أو يقولوا بخلق القرآن أو أن يسُبّوا أصحاب النّبي ﷺ أو يُنكروا رسَالةَ رسول الله ﷺ وثبتوها لعلىّ بن أبي طالبٍ وما أشبهَ ذلك.❶

یعنی: امام احمد نے فرمایا کہ ہم اُن لوگوں پر حکمِ کفر لگائیں گے جو غلو کریں، اِس طرح کہ وہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے قرار دیں یا اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ثابت کریں یا قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہوں یا اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو گالیاں دیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رسالت کا انکار کریں اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لئے ثابت کریں اور اِس طرح کے دیگر عقائد رکھیں۔

افضلیتِ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تو متعدّد احادیثِ کریمہ شاہد ہیں، اختصاراً ایک حدیث پر اکتفاء کرتا ہوں۔

چنانچہ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فِي مَرَضِهِ "ادْعِي لِي أَبَا بَكْرٍ وَأَخَاكِ حَتَّى

❶ من يكفر ولا يشعر، ص۸۹

أَكْتُبَ كِتَابًا فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَتَمَنَّى مُتَمَنٍّ وَيَقُولُ قَائِلٌ: أَنَا أَوْلَىٰ وَيَأْبَى اللهُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ". ❶

یعنی: (اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں مجھ سے فرمایا: اپنے والد ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے بھائی کو میرے پاس بلاؤ تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں؛ کیونکہ مجھے یہ خوف ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کہے گا میں زیادہ حق دار ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ اور مؤمنین ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سواء کسی اور کی جانشینی سے انکار فرماتے ہیں۔

اور علّامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں: وعَن عَلِيّ رَضِي الله عنه: خَيرُ النَّاس بَعدَ النَّبِيّين أَبو بَكر ثُمّ عُمر ثُمّ الله أَعْلَم. ❷

یعنی: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انبیاء کرام کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر ابو بکر ہیں پھر عمر پھر اللہ بہتر جانتا ہے۔

والله تعالى أعلم بالصواب

الجمعة، ٢٠ ربيع الاول ١٤٢٦ هـ. ٢٩ اپریل ٢٠٠٥ م JIA-572

---

❶ صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة رضي الله تعالى عنهم، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، برقم الحديث: ٢٣٨٧، ٤ / ١٨٥٧

❷ شرح المقاصد، المقصد السادس: السمعيات، الفصل الرابع: في الإمامة، ٣/ ٥٢١

# رسول کی بعثت کا مقصد

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ کے بارے میں کہ رسول کی بعثت کا مقصد کیا تھا؟

(سائل: عبد اللہ بن عبد الحمید، کاغذی بازار، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدّس الجواب: رسول کو بھیجنے کا مقصدِ حقیقی لوگوں کا اُن کی اطاعت کرنا ہے تاکہ وہ اللہ عزّوجلّ کے جو احکام لوگوں تک پہنچائیں، اُن پر عمل کیا جاسکے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ عزّوجل ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (1)

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اِس لیے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے۔ (کنز الایمان)

اِس آیت کی تفسیر میں علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی حنفی متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں: أيْ لِإلزام طاعتِه على النّاس فإنّه المقصود من الرّسالة. (2)

یعنی: رسول کو اِس لئے بھیجا کہ رسول کی اطاعت کرنا لوگوں پر لازم ہوجائے؛ کیونکہ رسالت سے یہی مقصود ہے۔

---

(1) النّساء: ۶۴/۴

(2) تفسیر المظهری، سورة النساء، تحت الآیة: ٦٤، ٢/ ٣٧٢

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ربّ تعالیٰ نے مبلغ بنا کر بھیجا تا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچائیں۔

چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: لأنّه فِي الْحَقِيقة مُبلِّغ والآمر هُو الله تعالىٰ. ❶

یعنی: حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مبلغ ہیں اور حاکم اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اِسی وجہ سے رسول کی اطاعت، کو اللہ عزّوجلّ کی اطاعت کہا گیا۔

چنانچہ اللہ عزّوجلّ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ ❷

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اُس نے اللہ کا حکم مانا۔ (کنز الایمان)

اور ایک مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت کا یہ بھی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قواعد وضوابط پر عمل پیرا ہوتے ہیں اُنہیں خوشخبری سنائیں اور جو لوگ نافرمانی کرتے ہیں اُن کے لئے درد ناک عذاب کی وعید سنائیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا﴾ ❸

---

❶ تفسير المظهري، سورة النساء، تحت الآية: ۸۰، ۲/ ۳۸٤

❷ النساء: ۴/۸۰

❸ الأحزاب: ۳۳/۴۵

ترجمہ: اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔ (کنزالایمان)

مذکورہ آیت کے تحت شیخ الاسلام ابوالحسن محمد بن محمد صدیقی بکری متوفی ۹۵۲ھ لکھتے ہیں: (ومُبشِّرا) لمن آمن بالجنّة (ونذیراً) لِمَنْ کذَّب بِالنّار. [1]

یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایمان والوں کو جنت کی خوشخبری سنانے والے اور جھٹلانے والوں کو جہنم کا ڈر سنانے والے ہیں۔

اِس بارے میں غزالیِ زماں، رازیِ دوراں حضرت علّامہ سید احمد سعید کاظمی حنفی متوفی ۱۴۰۶ھ نے تفصیل سے کلام کیا ہے، لہٰذا اُنہیں کے کلام سے اختصاراً چند باتیں نقل کرتے ہیں۔

چنانچہ علّامہ سید احمد سعید کاظمی حنفی متوفی ۱۴۰۶ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [2] یعنی، ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اِس لیے کہ اللہ کے اذن سے اُس کی اطاعت کی جائے۔ یہاں باذن اللہ کی قید اِس لئے لگائی گئی ہے کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ رسول ہونے کی حیثیت سے رسول کا کوئی قول اور فعل اللہ کے اذن کے بغیر نہیں ہوتا یعنی وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتا وہ جو کچھ کہتا ہے یا کرتا ہے اِذنِ اِلٰہی سے کہتا اور کرتا ہے۔ اِس لیے اُس کی اطاعت اللہ کے اذن

---

[1] تفسیر البکری، سورۃ الأحزاب، تحت الآیۃ: ۴۵، ۳/ ۵۷

[2] النساء: ۴/۶۴

ہی سے ہوگی، لہٰذا رسول ہونے کی حیثیت سے رسول کا ہر قول و فعل، حجت اور دلیلِ شرعی قرار پائے گا، اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے بار بار رسول کی اطاعت کا حکم دیا اور بجا فرمایا: ﴿وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ (1) یعنی اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو۔ نیز فرمایا: ﴿وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (2) اور اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو۔ نیز فرمایا ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (3) اے رسول! آپ فرمادیجئے، اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت فرمائے گا۔ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (4) اے ایمان والو! پیروی میں تمہارے لئے رسول کی ذات میں بہترین نمونہ موجود ہے۔ اِن تمام آیات میں رسول کی بعثت کا مقصد یہی بتایا گیا ہے کہ رسول کے ہر قول و فعل میں اُس کی اتباع و اطاعت کی جائے اور چونکہ رسول کا کوئی قول و فعل اذنِ اِلٰہی کے بغیر نہیں ہوتا، اِس لیے اُس کی اطاعت عین اطاعتِ اِلٰہیہ ہے۔ اِسی لیے فرمایا: ﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (5) جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اِن آیاتِ

---

(1) الانفال: ۸/۴۶
(2) المائدۃ: ۵/ ۹۲
(3) اٰل عمران: ۳/۳۱
(4) الاحزاب: ۳۳/۲۱
(5) النساء: ۴/۸۰

قرآنیہ میں مقصدِ بعثت کے بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ رسول کی ذات مرکزِ اطاعت ہے اُس کا حکم مانا جائے گا۔ قانون کا سرچشمہ صِرف رسول کی ذات ہے اُس کا ہر قول اور فعل جو بحیثیتِ رسالہ سرزد ہو حجت اور دلیلِ شرعی اور واجب الاتباع ہے۔اِسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے بطورِ فیصلہ فرمادیا:﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْاۚ﴾❶ اور جو کچھ رسول تمہیں دیدیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع فرمائیں اُس سے رُک جاؤ۔اِن آیات سے مقصدِ بعثت کے ساتھ منصبِ رسالت پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ بات بے غبار ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ رسول کی ہر بات اور ہر عمل خواہ اُس کی صراحت قرآن میں موجود ہو یا نہ ہو بہر صُورت قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔اگرچہ مقصدِ بعثت کے ضمن میں منصبِ رسالت پر روشنی پڑچکی ہے لیکن تائید مزید کے لئے حسبِ ذیل آیاتِ قرآنیہ سے بھی ہم اِس موضوع کی وضاحت کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ﴾❷ اور ہم نے آپ کی طرف ذِکر (قرآن) اِس لئے نازل کیا کہ آپ لوگوں کیلئے وہ سب کچھ بیان فرمادیں جو (انہیں بتانے کے لئے) اُن کی طرف اُتارا گیا۔ معلوم ہوا کہ قرآن کے مرادی معنیٰ کا بیان منصبِ رسالت ہے کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن کے معانی اپنی طرف

---

❶ الحشر:۵۹/۷

❷ النحل:۱۶/۴۴

سے بیان کر دے۔ نیز فرمایا:﴿وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ﴾ 1 اور ہم نے آپ پر کتاب اُتاری کہ وہ (آپ کے لئے) ہر چیز کا روشن بیان ہے۔۔۔ نیز فرمایا:﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ 2 بے شک اللہ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا جب اُن کے نفسوں میں سے اُن میں رسول بھیجا وہ اُن پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور اُنہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس آیتِ مبارکہ میں رسالت کے تین منصب بیان فرمائے ہیں:۱۔ تلاوتِ آیات۔۲۔ تزکیہ نُفوس۔۳۔ تعلیمِ کتاب و حکمت۔ ظاہر ہے کہ تلاوتِ آیات تو قرآن کی قراءت ہی ہے مگر تزکیہ اور تعلیمِ رسول کے قول و فعل کے بغیر ممکن نہیں اس لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول اور فعل کا حجت اور دلیلِ شرعی ہونا یقینی ہے، ورنہ منصبِ رسالت بے معنیٰ ہو کر رہ جائے گا۔ اِس آیت کے ضمن میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جو لوگ کتاب کے سوا کسی چیز کو مُنَزَّل مِنَ اللہِ (اللہ عزّوجلّ کی طرف سے نازل کردہ) نہیں مانتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ ابھی آپکو معلوم ہو چکا ہے کہ منصبِ رسالت میں کتاب و حکمت دونوں کی تعلیم شامل ہے جس طرح کتاب مُنَزَّل مِنَ اللہِ ہے اس

---

1 النحل:۱۶/ ۸۹

2 اٰلِ عمران: ۳/ ۱۶۴

طرح حکمت بھی مُنزَل مِنَ اللہِ ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَاۤ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾ ❶ یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اور وہ چیز جو اللہ نے تم پر نازل کی کتاب سے اور حکمت سے نیز فرمایا: ﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ ❷ اور اے رسول! اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی اور آپ کو وہ سکھایا جو آپ نہ جانتے تھے۔ اِن دونوں آیتوں میں کتاب کے ساتھ حکمت کے نازل ہونے کی صراحت بھی موجود ہے حکمت کے معنی ہیں چیزوں کو نامناسب جگہ سے روکنا اور مناسب جگہ پر حسنِ ترتیب کے ساتھ رکھنا۔ ❸

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

الخميس، ٢٣ الربيع الأخر ١٤٢٤ھ/ ٢٤ جولائی ٢٠٠٣م JIA-563

## فرض نماز میں قعدۂ اُولیٰ بھول کر کھڑے ہونے کی صُورتیں اور اُن کے احکام

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی فرض نماز میں قعدۂ اُولیٰ سے بھول کر اُٹھ جائے تو اگر بیٹھنے کے قریب ہو، تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور اگر قیام کے قریب ہو تو کھڑا

---

❶ البقرۃ: ٢٣١/٢

❷ النساء: ١١٣/٤

❸ مقالاتِ کاظمی، کتاب الحدیث، رسالہ: رجم اسلامی سزا ہے، ٣٩٢/٣۔

ہو جائے۔ قعدۂ اولیٰ میں قعدہ کے قریب اور قیام کے قریب ہونے سے کیا مُراد ہے اور اِس کی مقدار کیا ہے؟

امام قعدۂ اُولیٰ بھول کر کھڑا ہورہا ہو اور مقتدی اُسے لقمہ دے تو کون سی صُورت میں وہ لقمہ لے گا اور کونسی صُورت میں کھڑا ہوجائے گا نیز اگر امام نے اِس کے برعکس عمل کیا تو کیا حکم ہے؟ (سائل: محمد آصف عطاری، کھارادر، کراچی)

باسمه تعالیٰ وتقدّس الجواب: قیام کے قریب ہونے سے مراد یہ ہے کہ **اُٹھتے وقت بدن کا نیچے کا نصف حصّہ سیدھا ہوگیا ہو جبکہ اوپر کا نصف ابھی سیدھا نہ ہوا ہو یعنی پیٹھ سیدھی نہ ہوئی ہو۔**

چنانچہ علّامہ حسن بن عمّار شرنبلالی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں: بأنْ استویٰ النّصف الأسفَل مع انحناء الظهر، و هُو الأصحّ فی تفسیره۔ ❶

یعنی: (قیام کے قریب ہونا) اِس طور پر کہ جسم کے نیچے کا نصف حصہ سیدھا ہوگیا ہو اور پیٹھ میں خم باقی ہو اور یہی اِس کی اَصح تفسیر ہے۔

اور "پیٹھ میں خُم باقی ہو" اِس قید کا فائدہ بیان کرتے ہوئے علّامہ سیّد احمد بن محمد طحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں: قيّد به لأنّه لَو اعتدَل فیه کان قائماً فیمتنع العَود بالأولی۔ ❷

❶ مراق الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصّلاۃ، باب سجود السھو، تحت قوله: وھو إلی القیام أقرب، ص ۱۷۹

❷ حاشیة الطّحطاوی علی مراق الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، تحت قوله: مع انحناء الظھر، ص ٤٦٧

یعنی: یہ قید اِس لئے لگائی کہ اگر وہ اعتدال کرے گا(یعنی پیٹھ کا خم بھی باقی نہ رہے) تو حالتِ قیام میں پہنچ جائے گا پھر قعدۂ اُولیٰ کی طرف لوٹنا ممنوع ہو گا۔

**اور بیٹھنے کے قریب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ابھی نچلا حصّہ بھی سیدھا نہ ہوا ہو۔**

چنانچہ علّامہ ابراہیم حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں اور اُن کے حوالے سے علامہ سیّد احمد بن محمد طحطاوی (1) لکھتے ہیں: إنما كان إلى القُعود أقرب لأنّه لا يعدّ قائماً في هٰذه الحالة لاحقيقةً و لا عرفاً و لَا شرعاً لأنه لو قرأ وَ ركع و سجد فِي هذه الحالة من غَير عذر لا يجوز لأنه ليس بِقائم كما في "الحلبي" (2).

یعنی: (اِس حالت میں) وہ صرف بیٹھنے کے قریب ہو گا کیونکہ اِس حالت کو حالتِ قیام میں نہ حقیقتاً شمار کیا جاتا ہے نہ عرفاً اور نہ شرعاً؛ کیونکہ اگر وہ بلا عُذر اِسی حالت میں قراءت کرے اور رکوع و سجود کرے تو جائز نہ ہو گا کیونکہ وہ کھڑا نہیں ہے، جیسا کہ "حلبی" میں ہے۔

اور علّامہ شرنبلالی لکھتے ہیں: بِانعدام استواء النصف الأسفل. (3)

یعنی: "بیٹھنے کے قریب ہونا" یہ ہے کہ جسم کا نچلا نصف حصہ سیدھا نہ ہوا ہو۔

---

(1) حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، تحت قوله: بانعدام استواء النصف الاسفل، ص ٤٦٧

(2) غنیة المستملی المعروف بالحلبی الکبیری، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، تحت قوله: إنما یکون إلی القعود أقرب... إلخ، ص ٣٩٣

(3) مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، تحت قوله: وإن كان إلى القعود أقرب، ص ١٧٩

اور جب امام قعدۂ اُولیٰ بھول کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو رہا ہو تو اِس کی دو صُورتیں ہوں گی۔ اوّل یا تو وہ مکمل کھڑا ہو گیا ہو گا یا مکمل کھڑا نہیں ہوا ہو گا۔

مکمل کھڑا ہونے کی صُورت میں حکم یہ ہے کہ یاد آنے پر قعدۂ اُولیٰ کی جانب لوٹنا جائز نہیں بلکہ اب وہ اپنی نماز مکمل کرکے آخر میں دو سجدے سہو کے کرے گا۔

چنانچہ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (1) متوفی ۲۷۵ھ، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (2) متوفی ۲۷۹ھ، امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ (3) متوفی ۲۷۳ھ اور امام علی بن عمر ابو الحسن دار قطنی (4) متوفی ۳۸۵ھ اپنی اپنی سند سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: إِذَا قَامَ الإِمَامُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ: فَإِنْ ذَكَرَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوِيَ قَائِماً فَلْيَجْلِسْ فَإِنِ اسْتَوَىٰ قَائِماً فَلَا يَجْلِسْ وَ يَسْجُدُ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ.

یعنی: جب امام دو رکعت میں (قعدۂ اولیٰ کے بغیر) کھڑا ہو جائے پھر مکمل کھڑا ہونے سے پہلے یاد آجائے، تو بیٹھ جائے اور اگر کھڑا ہو گیا تو نہ بیٹھے اور سہو کے دو

---

(1) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب: من نسي أن يتشهد و هو جالس، برقم الحديث: ١٠٣٦، ١/ ٤٣٩

(2) سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الامام ينهض في الركعتين ناسياً، برقم الحديث: ٣٦٤، ١/ ٢٧١

(3) سنن ابن ماجه، كتاب إقامة الصلاة و السنة فيها، باب ماجاء فيمن قام من اثنتين ساهياً، برقم الحديث: ١٢٠٨، ٢/ ٨١

(4) سنن الدارقطني، كتاب الصلاة، باب الرجوع إلى العقود قبل استتمام القيام، برقم الحديث: ١٤٠٣، ١/ ٣٦٧

سجدے کرے۔

اور اگر مکمل کھڑا نہ ہوا تھا تو حکم یہ ہے کہ یاد آنے پر لوٹ آئے گا۔

چنانچہ شیخ محمد بن محمد کاشغری حنفی متوفی ۷۰۵ھ اور علامہ حلبی لکھتے ہیں:
(وإنْ نهض إلىٰ)الركعة(الثالثة ساهياً)و لم يقعدالقعدة الأولىٰ ثم تذكر قبل أن يستوى قائماً ينظر (إنْ كان إلى القعود أقرب يقعد)لأنه بمنزلة القَاعد. ❶

یعنی: اور اگر وہ تیسری رکعت کے لئے بھولے سے کھڑا ہو گیا پھر اُسے سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آ گیا، تو وہ دیکھے، اگر وہ قعدہ سے قریب ہے، تو بیٹھ جائے؛ کیونکہ وہ بیٹھنے والے کے درجہ میں ہے۔

اور یہ مسئلہ فرض نماز کے بارے میں ہے جب کہ نفل کا مسئلہ الگ ہے کہ نفل میں اگرچہ سیدھا کھڑا ہو گیا ہو واپس لوٹ کر آئے؛ کیونکہ نفل نماز کا قعدۂ اولیٰ، قعدۂ ثانیہ کی طرح فرض ہے۔

چنانچہ علّامہ عثمان بن یعقوب بن حسین کماخی ثم اِسلامبولی حنفی "من الفرض" کے تحت لکھتے ہیں: ولوعملياً وَهو الوتر احترز بقَوله من الفرض عنِ النفل لأنّ القعدة الأولىٰ مِنه كالقعدة الثّانية من الفرض حتىٰ يعود إلَيها لا محالة وإنْ استوىٰ قائماً. ❷

یعنی: فرض کے قعدۂ اولیٰ کو بھول کر کھڑا ہوا اگرچہ فرضِ عملی ہو اور یہ

❶ منية المصلى مع شرحه غنية المستملى،فصل فى سجودالسهو،ص٣٩٦
❷ سُلَّم الفلاح شرح نورالإيضاح،كتاب الصلاة،باب سجودالسهو،تحت قوله:من الفرض،ق ١٣١/ ألف. ب، مخطوط مصور

وتر ہے، ماتن کے فرض کہنے سے نفل نماز سے احتراز ہوا ہے؛ کیونکہ نفل کا پہلا قعدہ، دوسرے قعدہ کی طرح ہے یعنی فرض ہے یہاں تک کہ نفل میں اُس کے لئے لوٹنا ضروری ہے اگرچہ سیدھا کھڑا ہو گیا ہو۔

اور ایسی صُورت میں یعنی فرض نماز میں جب مکمل کھڑا نہ ہوا ہو تو قعدہ کی طرف لوٹنا واجب ہے۔

جیسا کہ علّامہ شرنبلالی (1) اور علّامہ محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی (2) متوفی ۱۲۵۲ھ "عَادَ إليه" کے تحت لکھتے ہیں: وجوباً.

یعنی، قعدہ کی جانب لوٹنا واجب ہے۔

لہٰذا فرض نماز میں نمازی جب تک سیدھا کھڑا نہ ہوا تھا یاد آنے پر لوٹے پھر دیکھے کہ لوٹتے وقت وہ قعدہ کے قریب تھا یا قیام کے قریب۔

قعدہ کے قریب تھا، تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوا۔

چنانچہ علّامہ حلبی لکھتے ہیں: قَال الشّيخ الإمَام أبو بكر محمّد بن الفَضل لايجبُ وقال غيره يجبُ لأنه بقدرما اشتغل به من القيام آخر واجباً والأصح عدم الوجوب لأنّ الشرع لم يعتبر فعله قياماً فكان معتبراً قعوداً ضرورةً فَلايوجد التّاخِير الموجب للسُّجود. (3)

(1) مراق الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، تحت قوله: عاد إليه، ص١٧٩

(2) ردّ المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، تحت قوله: عاد إليه، ٢/ ٦٦١

(3) غنية المستملی، فصل فی سجود السهو، تحت قوله: اختلاف، ص٣٩٦

یعنی: شیخ امام ابو بکر محمد بن فضل نے فرمایا کہ سجدۂ سہو واجب نہیں ہو گا اور آپ کے علاوہ نے فرمایا کہ واجب ہو گا؛ کیونکہ وہ مشغول رہا دوسرے واجب قیام کی مقدار اور اصح، عدمِ وُجوب ہے؛ کیونکہ اس کا فعل بطورِ قیام کے شرع میں معتبر نہیں ہے اور ضرورۃً قعدہ معتبر ہے لہذا سجدۂ سہو کو واجب کرنے والی تاخیر نہ ہوئی۔

اور علّامہ شامی لکھتے ہیں: إذَا عاد قبل أن يستتم قائماً و كان إلى القُعود أقرب فإنّه لا سُجود عليه فِي الأصحّ و عَليه الأكثر.❶

یعنی: سیدھا کھڑا ہونے سے قبل اُس وقت لوٹا جب بیٹھنے کے قریب تھا تو اصح قول کے مطابق اُس پر سجدۂ سہو لازم نہیں اور اِسی پر اکثر عُلماء ہیں۔

اور اگر لوٹتے وقت کھڑا ہونے کے قریب تھا تو اُس پر سجدۂ سہو لازم ہے۔

جیسا کہ علّامہ شرنبلالی لکھتے ہیں: فإن عَاد وهو إلى القِيام أقرب سجَد للسهو.❷

یعنی: اگر اِس حال میں لوٹا کہ وہ قیام کے قریب تھا تو سجدۂ سہو کرے۔

اور علّامہ شامی لکھتے ہیں: وَ أمّا إذا عَاد وهو إلى القِيام أقرب فعليه سُجود السهو.❸

یعنی: اگر اِس حال میں لوٹا کہ قیام کے قریب تھا تو اُس پر سجدۂ سہو لازم ہے۔

---

❶ ردّ المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، تحت قوله: عاد إليه، ٢/ ٦٦١

❷ نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص١١٩

❸ ردّ المحتار على الدّر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، تحت قوله: ولا سهو عليه... إلخ، ٢/ ٦٦١

اور اگر جان بوجھ کر قعدۂ اُولیٰ ترک کر دیا یا مقتدی نے اشارہ کیا اور قصداً نہ لوٹا تو سجدۂ سہو کافی نہ ہو گا؛ کیونکہ یہ سجدے، سہواً واجب ترک ہو جانے کا ازالہ کرتے ہیں نہ کہ قصداً ترک کرنے کا اور قعدۂ اُولیٰ واجب ہے اور بھول کر کھڑے ہوتے ہوئے قُربِ قیام کے وقت یاد آنے یا لقمہ ملنے کی صُورت میں لوٹنا واجب ہے، ایسی صُورت میں اعادہ لازم ہو گا اِسی طرح سجدۂ سہو لازم ہونے کی صُورت میں سجدہ نہ کیا اور نماز ختم کر دی تو بھی نماز کا اعادہ لازم ہو گا۔

چنانچہ علّامہ شرنبلالی لکھتے ہیں: وَإن كان تركه الواجب عمداً أثم و وَجب إعادة الصَّلاة. (1)

یعنی: اگر اُس نے واجب عمداً ترک کیا تو گنہگار ہو گا اور اُس پر نماز کا اعادہ واجب ہو گا۔

اور علّامہ علاؤالدین محمد بن علی حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: فلَا سجودَ فی العَمد. (2)

یعنی: جان بوجھ کر واجب ترک کرنے میں سجدہ سہو نہیں (بلکہ نماز لوٹائے گا)۔

اور علّامہ زین الدین بن ابراہیم ابنِ نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں: وَ ظاهر كلَام الجمّ الغفير أنّه لا يجب السجود فِي العمد و إنمّا تجب الإعَادة إذا ترك واجباً عمداً جبراً لنقصانه. (3)

یعنی، عُلمائے کرام کے جمّ غفیر کا ظاہر کلام یہ ہے کہ عمد میں سجدہ سہو واجب

---

(1) نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص١١٨
(2) الدّر المختار، كتاب الصّلاة باب سجود السهو، ص٩٩
(3) البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ٢/ ١٦١

نہیں اور جب جان کر واجب ترک کر دے تو اُس نقصان کو پورا کرنے کے لئے صرف اعادہ واجب ہے۔

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: قصداً واجب ترک کیا تو سجدۂ سہو سے وہ نقصان دفع نہ ہو گا بلکہ اعادہ واجب ہے، یوہیں اگر سہواً واجب ترک ہوا اور سجدۂ سہو نہ کیا جب بھی اعادہ واجب ہے۔ (1)

ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ قعدۂ اُولیٰ عمداً ترک کرنے پر بھی سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔

چنانچہ علّامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں: قِیل إلّا فی أربع: تَرك القعدة الأولیٰ... إلخ. (2)

یعنی: کہا گیا ہے کہ چار واجبات جن کے عمداً ترک کرنے پر سجدہ سہو واجب ہے اُن میں سے ایک قعدۂ اُولیٰ کا ترک کرنا ہے۔

اور علّامہ شرنبلالی (3) نے تین کا ذکر کیا ہے۔

مگر یہ قول یعنی عمداً قعدۂ اُولیٰ ترک کر دینے پر سجدۂ سہو سے ازالہ ہو جائے گا، ضعیف ہے۔

چنانچہ علّامہ شامی لکھتے ہیں: أشار إلیٰ ضعفه تبعاً لنور الإیضاح. (4)

---

(1) بہارِ شریعت، نماز کا بیان، احکام فقہیہ، سجدہ سہو کا بیان، ۱/۷۰۸

(2) الدر المختار، کتاب الصلاۃ باب سجود السھو، ص۹۹

(3) نور الإیضاح، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، ص۱۱۸

(4) ردّ المحتار علیٰ الدّر المختار، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، تحت قوله: قیل إلّا فی أربع، ۲/ ٦٥٥

یعنی: (صاحبِ درِّ مختار) نے "نور الایضاح" کی اتباع کرتے ہوئے اِس قول کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور عُلمائے کِرام نے اِس قول (یعنی قعدۂ اولی کے قصداً ترک کا سجدۂ سہو سے ازالہ ہو جانے) کو ردّ فرمایا ہے۔

چنانچہ علّامہ شامی لکھتے ہیں: وَ قد ردّہ العلّامة قاسم بأنّه لَا یعلم له أصْل فی الرّوایة و لَا وجه فِی الدّرایة. ❶

یعنی: تحقیق اِس قول کو علّامہ قاسم نے اِس طور پر ردّ فرمایا ہے کہ اِس کی نہ روایت میں کوئی اصل ہے اور نہ ہی درایت میں کوئی وجہ۔

لہٰذا عمداً قعدۂ اُولیٰ ترک کرنے پر اِعادہ واجب ہے، سجدہ سہو نہیں اور اِسی پر فتویٰ ہے۔

چنانچہ علّامہ شامی لکھتے ہیں: ھٰذا ھو الّذِی یعتمِد للفتویٰ و العَمل. ❷

یعنی: یہی قول فتویٰ اور عمل کے لئے معتمد ہے۔

اور ضرورت ہو تو مقتدی امام کو لقمہ دے سکتا ہے۔

چنانچہ علّامہ ابنِ نجیم ❸ لکھتے ہیں اور اُن کے حوالے سے علّامہ نظام الدین

---

❶ ردّ المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، تحت قولہ: قیل إلا فی أربع، ۲/ ٦٥٥

❷ مِنحة الخالق علیٰ ھامش البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، تحت قولہ: لعلھم نظروا... إلخ، ۲/ ١٦٢

❸ البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، تحت قولہ: وھی مؤیدۃ... إلخ، ۲/ ١٢

حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت [1] نے لکھا ہے: وَ لو عرض لِلإمام شئ فسبّح المأموم لا بأس به لأنّ المقصود بِه إصلاحُ الصلاة.

یعنی: امام سے کچھ غلطی ہوئی اور مقتدی نے "سبحان اللہ" کہہ دیا تو کوئی حرج نہیں اِس لئے کہ اِس سے نماز کی اصلاح مقصود ہے۔

اور مفتیِ اعظم پاکستان مفتی وقار الدین حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: لقمہ دینے کی اجازت ضرورتاً ہے بلاضرورت لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ [2]

اور جب امام کھڑا ہو جائے تو مقتدی کا لقمہ دینا بے فائدہ ہو جائے گا۔

چنانچہ علّامہ ابنِ نجیم [3] اور اُن کے حوالے سے علّامہ نظام الدین اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت [4] نے لکھا ہے: وَلا یسبّح للإمَام إذَا قام إلى الأخرَيَين لأنه لا يَجوز له الرُّجوع إذَا كان إلى القِيام أقرب فلم يكن التَّسبيح مفيداً كَذا فى "البدائع" [5].

یعنی: اور جب امام آخری دو رکعتوں کے لئے مکمل کھڑا ہو گیا تو مقتدی کو چاہئے کہ وہ اُسے لقمہ نہ دے اِس لئے کہ امام کے لئے لوٹنا جائز نہیں۔ جب قیام

---

[1] الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة و يكره فيها، الفصل الأول فيما يفسدها، النوع الأول فى الأقوال، ١/ ٩٩

[2] وقار الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، لقمہ دینے کا بیان، بے محل لقمہ دینا، ۲/ ۲۳۳

[3] البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، تحت قوله: وهى مؤ يدة... إلخ، ٢/ ١٢

[4] الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة و يكره فيها، الفصل الأول فيما يفسدها، النوع الأول فى الأقوال، ١/ ٩٩

[5] بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فى بيان حكم الاستخلاف، ٢/ ١٣١

کے قریب ہو تو لقمہ بے فائدہ ہے اِسی طرح "بدائع" میں ہے۔

لیکن امام کے اقرب الی القیام (یعنی قیام سے قریب) ہونے کی حالت میں لقمہ دینے سے مقتدی کی نماز فاسد نہ ہو گی کیونکہ یہ لقمہ محض بے فائدہ نہیں اِس لئے کہ یہ لقمہ اِس حالت میں ہے جس میں امام کو لوٹنا واجب تھا اس حالت میں یہ لقمہ امام کے لئے مفید تھا اور بے فائدہ اِس طرح ہے کہ مقتدی کا یہ لقمہ امام کو سجدۂ سہو سے نہ بچا سکا۔

لہٰذا جب مقتدی کا لقمہ دینا محض بے فائدہ اور محض بلا ضرورت ہو تو وہ لقمہ مقتدی کے لئے مفسدِ نماز ہو جائے گا۔

چنانچہ امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: جب امام قعدۂ اُولیٰ چھوڑ کر پورا کھڑا ہو جائے تو اب مقتدی بیٹھنے کا اشارہ نہ کرے ورنہ ہمارے امام کے مذہب پر مقتدی کی نماز جاتی رہے گی کہ پورا کھڑا ہونے کے بعد امام کو قعدۂ اُولیٰ کی طرف عود (یعنی لوٹنا) ناجائز تھا۔ تو اِس کا بتانا محض بے فائدہ رہا اور اپنے اصلی حکم کی رُو سے کلام ٹھہر کر مفسدِ نماز ہوا۔ (1)

اور صدر الشریعہ لکھتے ہیں: مگر قعدۂ اُولیٰ نہ کیا اور ابھی سیدھا کھڑا نہ ہوا تو مقتدی ابھی اِس کے ترک میں متابعت امام کی نہ کرے بلکہ اُسے بتائے تا کہ **وہ واپس آئے** اگر واپس آگیا فبہا اور اگر سیدھا کھڑا ہو گیا تو اب نہ بتائے کہ نماز جاتی رہے گی

---

(1) فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلاۃ، باب مفسدات الصلاۃ، ۷/ ۲۶۵-۲۶۴

بلکہ خود بھی قعدہ چھوڑ دے اور کھڑا ہو جائے۔ 1

اور اگر مقتدی نے ایسے شخص سے لقمہ لیا جو جماعت میں اُن کے ساتھ شریک نہ تھا پھر مقتدی نے امام کو لقمہ دیا تو اِس صورت میں امام کو لقمہ لینا جائز نہیں اور اگر امام لقمہ لے لے تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر لقمہ نہ لے تو صرف اُس مقتدی کی نماز فاسد ہو گی جس نے لقمہ دیا۔

چنانچہ علامہ ابنِ نجیم 2 اور اُن کے حوالے سے علامہ نظام الدین اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت 3 نے لکھا ہے: و لَو سمعه المؤتم ممَن لیس فِی الصلاۃ ففتحه علیٰ إمامِه یجب أنْ تبطل صَلاۃ الکُل لأنَ تلقین مِن خارج.

یعنی: اور اگر مقتدی نے اُس سے سُنا جو نماز میں نہیں ہے پھر اپنے امام کو لقمہ دیا تو واجب ہے کہ سب کی نماز باطل ہو جائے کیونکہ یہ خارج سے تلقین ہے۔

اور صدر الشریعہ لکھتے ہیں: اپنے امام کو لقمہ دینا اور امام کا لقمہ لینا مفسد نہیں ہاں اگر مقتدی نے دوسرے سے سُنا کہ جو نماز میں اِس کا شریک نہیں ہے، لقمہ دیا اور امام نے لے لیا، تو سب کی نماز گئی اور امام نے نہ لیا تو صرف اُس مقتدی کی گئی۔ 4

---

1 بہارِ شریعت، نماز کا بیان، احکام فقہیہ، جماعت کے مسائل، ۱/۳/۵۹۳

2 البحر الرائق شرح کنزالدقائق، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، تحت قولہ: وھی مؤیدۃ...إلخ، ۲/۱۱

3 الفتاویٰ الھندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب السابع فیما یفسد الصلاۃ و یکرہ فیھا، الفصل الأول فیما یفسدھا، النوع الأول فی الأقوال، ۱/۹۹

4 بہارِ شریعت، نماز فاسد کرنے والی چیزوں کا بیان، احکام فقہیہ، ۱/۳/۶۰۷

اور اگر مقتدی نے امام کو لقمہ اِس حالت میں دیا جس سے اُسے لوٹنا جائز تھا اور امام مقتدی کے لقمہ کو حق جانتے ہوئے بھی نہ لوٹے تو یہ عمداً ترکِ واجب ہو گا اور عمداً ترکِ واجب میں سجدۂ سہو کافی نہیں، نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے۔

واللّٰہ تعالٰی أعلم بالصواب

الأربعاء، ۱۸ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ، ۲ اپریل ۲۰۰۲م JIA-238

## مسجد میں عورتوں کی جماعت

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ احناف کے نزدیک مسجد میں عورتوں کی جماعت جائز ہے یا نہیں؟

(سائل: احقر محمد صادق، مہران ٹاؤن، کورنگی، کراچی)

باسمه تعالیٰ و تقدس الجواب: عورتوں کو بلاضرورتِ شرعیّہ پردے کے ساتھ بھی گھر سے نکلنا جائز نہیں۔ نمازِ باجماعت پڑھنے کے لئے صحابۂ کرام کے زمانہ میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اِس زمانہ کو دیکھتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکتے۔

چنانچہ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں: أنَّ عائشةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى الله عليه وسلم قَالَتْ لَوْ أَدْرَكَ رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وسلم مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَهُ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيْلَ. قَالَ يَحْيىٰ فَقُلْتُ لِعَمْرَةَ أَمُنِعَهُ

نِسَاءُ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ؟ قَالَتْ نَعَمْ. 1

یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو عورتوں نے کیا اگر اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ لیتے تو ضرور اُنہیں مسجد میں آنے سے منع کر دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا۔ یحیی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرہ سے پوچھا کیا بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں۔

اِس حدیث کو امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اپنی سند سے "صحیح البخاری" 2 میں اور امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند سے "صحیح مسلم" 3 میں روایت کیا۔

اِسی لئے فُقہاءِ کرام نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرمادیا۔

چنانچہ علّامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ 4 اور علّامہ سید احمد بن محمد طحطاوی حنفی 5 متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں: (ولا يحضرن الجماعاتِ لما فيه

---

1 سُنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التشديد في ذٰلك، برقم الحديث: ٥٦٩، ١/ ٢٧٢

2 صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب إنتظار الناس قيام الإمام... إلخ، برقم الحديث: ٨٦٩، ١/ ٢٠٧

3 صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المسجد... إلخ، برقم الحديث: ٤٤٥، ١/ ٣٢٩

4 مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، فصل في الأحق بالإمامة... إلخ، تحت قوله: النساء، ص ١١٣

5 حاشية الطّحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، فصل في بيان الأحق الإمامة... إلخ، تحت قوله: المخالفة، ص ٣٠٤

مِن الفتنَة والمُخالفة) أی مُخالفة الأمر لأنَّ الله تَعالیٰ أمرهُنَّ بالقرار فی البُیوت فقال الله تَعالیٰ ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ ❶ وقال صلّی الله علیه وسلّم: بُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ لَوْكُنَّ يَعْلَمْنَ.

یعنی: اور عورتیں مسجد کی جماعت میں نہ آئیں کیونکہ اِس میں فتنہ اور مخالفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو گھروں میں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ترجمہ: "اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو" (کنزالایمان) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "عورتیں اگر جانیں تو اُن کے لئے ان کے گھر بہتر ہیں"۔

اور مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین قادری حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: اِسی بناء پر ہمارے فُقہاء نے بعض چیزوں میں جیسے حالات بدلتے رہے احکام شرعیہ میں تبدیلی فرمائی امام اعظم کے زمانہ میں ہی جوان عورتوں کو دن کی نمازوں میں مسجد میں جانے سے منع کیا گیا۔ اِس کے کچھ زمانہ بعد جوان عورتوں کو مطلقاً منع کر دیا گیا اِس کے بعد تقریباً پانچ چھ سو سال پہلے بوڑھی عورتوں کو بھی مسجد میں جانے سے مطلقاً منع کر دیا گیا۔ ❷

جب عورتوں کا مسجد میں جانا ہی ممنوع ہے تو مسجد میں عورتوں کی جماعت بدرجہ اَولیٰ ممنوع ہو گی اور پھر عورتوں کی جماعت خود مکروہ ہے۔

چنانچہ علامہ عثمان وحدتی اردنوی حنفی لکھتے ہیں: و یکرہ تحریماً جماعة

---

❶ الأحزاب: ۳۳/ ۳۳

❷ وقار الفتاویٰ، کتاب المساجد، مسجد اور مسائل مساجد، عورتوں کا مسجد میں باپردہ آنا، ۲/ ۲۶۳

النّساء ولَو فی التّراویح. ❶

یعنی: عورتوں کی جماعت مکروہِ تحریمی ہے اگرچہ تراویح کے لئے ہو۔

اور علّامہ شرنبلالی لکھتے ہیں: وکُرِہ جماعة النِّساء بإمامٍ منهنّ؛ لأنّ اجتِماعهنّ قلّ ما یخلو عَن فتنة وَ فی قیامِهنّ مُخالَفة حال الإمامِ. ❷

یعنی: اور عورتوں کی جماعت اُن ہی میں سے کسی امام کے ساتھ مکروہ ہے؛ کیونکہ عورتوں کا اجتماع فتنہ سے خالی نہیں ہوتا اور اِن کے قیام میں امام کے حال کی مخالفت ہے۔

اور ایک مقام پر علّامہ شرنبلالی اور علّامہ طحطاوی لکھتے ہیں: (وَکُرِہَ جَماعة النّساء) تحریمًا للُزوم أحد المحذُورَینِ قِیامُ الْإمامِ فِی الصفتِ الْأوّلِ وهُوَ مَکرُوهٌ أوْ تَقَدُّمُ الْإمامِ وهُوَ أیْضًا مَکرُوهٌ فی حَقِّهِنَّ... إلخ. ❸

یعنی: اور عورتوں کی جماعت مکروہِ تحریمی ہے دو ممنوع چیزوں میں سے ایک کے لازم آنے کی وجہ سے، ایک امام کا پہلی صف میں کھڑا ہونا اور یہ مکروہ ہے یا امام کا (مقتدیوں سے) آگے ہونا اور یہ بھی عورتوں کے حق میں مکروہ ہے۔

نوٹ: تفصیل کے لئے ہمارا فتویٰ (JIA:1059) کا مطالعہ فرمائیں۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

---

❶ مهتدیٰ الأنهر إلی ملتقی الأبحر، کتاب الصلاة، باب الإمامة، تحت قوله: وحدهن، ق ۲۰۰/ ألف، مخطوط مصور

❷ إمداد الفتّاح شرح نورالإیضاح، کتاب الصلاة، باب الإمامة، فصل فی بیان الأحق بالإمة... إلخ، تحت قوله: النساء، ص ۳٤٥

❸ حاشیة الطحطاوی علی مراق الفلاح، کتاب الصلاة، باب الإمامة، فصل فی بیان الأحق الإمامة... إلخ، تحت قوله: المخالفة، ص ۳۰٤

الخمیس، ۲۳ الربیع الأخر ۱٤۲٤ھ/ ۲٤ جولائی ۲۰۰۳ء JIA-558

# نمازِ تراویح میں ایک سے زائد اماموں کی امامت

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ ہماری مسجد کے خطیب وامام، حافظ و قاری اور مکمل درسِ نظامی کے فارغ التحصیل عالم باعمل ہیں۔ قرآنِ پاک کی تلاوت بہت خوبصورت اور رِقّت آمیز کرتے ہیں، مسجد انتظامیہ ماہِ رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کے لیے امام صاحب کو یہ حکم جاری کرتی ہے کہ نصف قرآن پاک یعنی پندرہ پارے وہ پڑھیں اور بقیہ نصف مسجد کا خادم تراویح میں سُنائے جبکہ خادم صاحب سادہ حافظ ہیں اور کبھی کبھی خضاب بھی سر اور داڑھی میں لگاتے ہیں اور ابھی نہیں لگاتے۔ ایسی صُورت میں مسجد انتظامیہ کا یہ حکم شرعاً جائز ہے یا حرام ہے اورامامت کے لیے اور تراویح کے لیے مسجد میں اگر امام، مؤذن، خادم تینوں حافظ ہوں تو کیا تینوں حقدار ہیں کہ دس دس سپارے پڑھائیں یا صرف امام ہی مصلّٰی کا حقدار ہے اور سب سے زیادہ امامت کا حقدار کون ہے؟

(سائل: حاجی الطاف اسماعیل، اولڈ ٹاؤن، میٹھادر، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدّس الجواب: اگر حافظ صاحب کی قراءت درست ہے، تواُن کی امامت میں کوئی حرج نہیں اور اگر مسجد کے امام صاحب بقول سائل کے وہ عالمِ دین اور حافظ و قاریِ قرآن ہیں تو وہ بنسبت اُس شخص کے جو کہ نہ قاری ہے اور نہ عالم ہے، افضل ہیں۔

چنانچہ علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت

❶ نے لکھا ہے: وَلو كان الفَقيه قارئًا فالأفضَل والأحسن أنْ يصلى بقرأة نفسه كذا فی "فتاوی قاضيخان" ❷.

یعنی: اگر فقیہ (عالم دین) قاری بھی ہو تو افضل اور احسن یہ ہے کہ وہ نماز پڑھائے، اِسی طرح" فتاویٰ قاضیخان " میں ہے۔

لہٰذا مسجد کمیٹی کو چاہیے کہ اُس سے ہی امامت کروائیں جو پنج وقتہ نمازوں کا امام ہونے کے ساتھ ساتھ عالم دین، حافظِ قرآن اور قاریِ قرآن بھی ہے۔

جہاں تک حقدار ہونے کا سُوال ہے تو سب سے زیادہ حقدار وہی ہے جو اَفضل ہے اور اگر مسجد انتظامیہ نے دوسرے کو تراویح میں امامت کرنے کے لیے کھڑا کیا، تو اُس کی اقتداء میں تراویح جائز ہے بشرطیکہ فاسق معلن نہ ہو اور قرآن درست پڑھتا ہو۔

چنانچہ علّامہ شمس الدین محمد بن احمد تمر تاشی حنفی متوفی۱۰۰۴ھ اور علّامہ علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: (وَالأحق بالإمامة) تقديماً بل نصباً (الأعلَم بأحكام الصّلاة) فقط صحةً و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة وحفظه قَدر فرض وقيل: واجب وقيل: سُنة (ثم الأحسن تلاوة) وتجو يداً (للقرأة ثم الأورع) أي: الأكثر اتقاء للشبهات والتقوىٰ اتقاء المحرّمات (ثم الأسن) أی: الأقدام إسلاماً فيقدّم شابٌ علىٰ شيخ أسلم. (ثم الأحسن خلقاً ثم الأحسن وجهاً) أیْ أكثرهم تهجّداً.

---

❶ الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلوٰة، باب التاسع فی النوافل، فصل فی التراو يح، ۱/ ۱۱٦

❷ فتاویٰ قاضيخان علیٰ هامش الفتاویٰ الهندية، باب التراويح ،فی مقدار التراو يح، ۱/ ۲۳۳

(ملخّصاً) 1

یعنی: امامت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو شخص صحت وفساد کے اعتبار سے نماز کے احکام زیادہ جانتا ہو بشرطیکہ وہ ظاہری گناہوں سے بچتا ہو اور بقدرِ فرض قرآن یاد کیا ہوا ہو اور کہا گیا ہے کہ بقدرِ واجب یاد ہو اور کہا گیا ہے کہ بقدرِ سنّت یاد ہو، پھر اچھی تلاوت والا زیادہ حقدار ہے، پھر جو زیادہ وَرع والا ہو یعنی زیادہ شبہات سے بچنے والا ہو اور تقویٰ، حرام کردہ چیزوں سے بچنے والا ہو، پھر زیادہ عمر والا ہے یعنی جو اسلام میں پیش تر ہو لہٰذا جوان مقدم کیا جائے گا، اُس بوڑھے پر کہ چند روز سے مسلمان ہوا ہو، پھر جو خوش خلق زیادہ ہوں، پھر جو زیادہ خوبصورت ہو یعنی: لوگوں میں زیادہ تہجد گزار (امامت کا زیادہ حقدار ہے)۔

اور نماز کے احکام جاننے زیادہ جاننے والے کے متعلّق علّامہ سیّد محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: أیْ: و إن کان غیر متبحرٍ فِی بقیة العلوم وھوأولیٰ من المتبحر...(ثمّ الأحسن تلاوۃً وتجویداً) أفادَ بذلك أنّ معنیٰ قولھم أقرأ: أی أجود لا أکثرھم حفظاً...ومعنی الحسن فِی التلاوۃ أن یکون عالما بکیفیة الحروف والوقف وما یتعلّق بھا. 2

یعنی: اگرچہ وہ دیگر عُلوم میں متبحر نہ ہو اور یہی (یعنی نماز کے احکام زیادہ جاننے والا

1 تنویر الأبصار وشرحہ الدّر المختار، ص۷٦

2 ردّالمحتار علی الدّر المختار، کتاب الصّلاۃ، مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد، تحت قولہ: بأحکام الصّلاۃ فقط، ۲/ ۳۵۰

دیگر علوم میں) متبحر شخص سے اَولیٰ ہے اور زیادہ قراءت والے سے مراد یہ ہے کہ جو زیادہ عمدہ طریقہ سے قرآن پڑھ سکتا ہو نہ وہ جو حفظ میں زیادہ ہو اور تلاوت میں حُسن یہ ہے کہ وہ حروف کی کیفیت، وقف اور اِس سے متعلقہ احکام زیادہ جاننے والا ہو۔

اور علّامہ عبدالحیّ بن عبدالحلیم لکھنوی حنفی متوفی ۱۳۰۴ھ لکھتے ہیں: الأعلَم بالأحكام الشرعيّة المتعَلّقة بالصَلاة وإن لم يكن له علم بغيرها. (1)

یعنی: جو نماز سے متعلّق احکامِ شرعیہ کا زیادہ جاننے والا ہو وہ اَولیٰ ہے اگرچہ نماز کے علاوہ کے مسائل کا علم نہ رکھتا ہو۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

الأحد ۲۵ رمضان المبارك ۱٤۲۳ھ، یکم دسمبر ۲۰۰۲م JIA-370

## چند سالوں کے قضا روزوں کی نیت

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے بلوغت کے بعد ابتدائی عمر کے چار سال کے روزے قضاء ہوئے، اُس نے چار سال کے روزے جو ۱۲۰ بنتے ہیں ایک ایک کرکے رکھے اور تعداد پوری کرلی اور نیت اِس طرح کی:

۱۔ سب سے پہلا فرض روزہ جو قضاء ہوا، اُس کو رکھنے کی نیت کرتا ہوں

پھر چند روزے رکھنے کے بعد بقیہ روزے جو رہے اُن کی نیت اِس طرح کی:

۲۔ سب میں پہلا ماہِ رمضان جو قضا ہوا، اُس کا سب میں پہلا روزہ رکھنے کی

---

(1) عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ، کتاب الصلاۃ، فصل فی الجماعۃ، تحت قولہ: الأعلم بالسنۃ، ۲/ ۱۳۳

نیت کرتا ہوں۔

۳۔ اِسی طرح دس سال کے روزوں ۱۹۸۰ء تا ۱۹۹۰ء کے دوران بارہ روزے بیماری یا ٹوٹنے کی وجہ سے قضا ہوئے متفرق مثلاً کسی سال ایک، کسی سال تین، کسی سال دو، وغیرہ، کُل تعداد بارہ ہے، سال کا تعیّن دشوار ہے، اِن روزوں کو اِس طرح نیت کرکے رکھا ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۰ء کے درمیان قضا ہونے والا پہلا روزہ فرض جو قضا ہوا، اُس کے رکھنے کی نیت کرتا ہوں اور یوں بارہ روزے پورے کرلئے۔

آیا تمام روزے ادا ہوئے اور ذمّہ ساقط ہوا یا نہیں۔ برائے مہربانی تفصیلاً جواب عنایت فرمائیں۔ (سائل: محمد طغرل قادری، لیاقت آباد، کراچی)

باسمه تعالیٰ و تقدّس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں جس طرح قضاء روزے پورے کئے گئے ہیں اِس سے وہ روزے ذمّہ سے ساقط ہوگئے۔

چنانچہ فقیہ النّفس علّامہ قاضیخان حسن بن منصور اُوزجندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں: إذا وجبَ علی إنسانٍ یومَینِ من رمضانَ واحدٍ فأراد أن یقضیهما ینوِی أوّل یومٍ وجبَ علیه قضاؤه من هذا الرمضانِ و إن لم ینو ذلك أجزأه.[1]

یعنی، جب کسی شخص پر ایک ماہِ رمضان کے دو روزوں کی قضا واجب ہو

---

[1] فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصوم، الفصل الثانی فی النیة، ۲۰۱/۱

اور وہ اُن کی قضا کا ارادہ کرے تو یوں نیت کرے کہ میں اُس رمضان کے اُس پہلے دن کا روزہ رکھتا ہوں جس کی قضاء مجھ پر واجب ہے اور اگر پہلے دن کا تعین نہ کیا تو بھی جائز ہے۔

اور علّامہ قاضیخان لکھتے ہیں: وَ إن كانا من رمضانينِ ينوي رمضانَ الأوّل فَإن لم ينوِ ذلك اختلفَ المشائخُ فيه و الصّحيح أنّه يُجزِ يه.❶

یعنی، اور اگر کسی پر دو ماہِ رمضان کے روزوں کی قضا واجب ہو تو وہ پہلے رمضان کی نیت کرے اور اگر یہ نیت نہ کی تو اِس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اُسے جائز ہو گا۔

اور علّامہ عالم بن علاء انصاری حنفی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں: إذا كَان عليه قضاءُ يومَينِ من رمضانَ واحدٍ فأراد القضاءَ ينبغي أن يَنوِي أوّل يومٍ وجبَ عليه قضاؤهُ من هذا الرّمضانِ أو آخرَ وجبَ عليه قضاؤه و إن لم يُعيّن اليومَ و نَوى قضاءَ الرّمضانِ لا غيرُ: يُجزِ يه سَواء كان عن رمضانَ واحدٍ أو عن رمضانَينِ.و فِي "الفتاوىٰ الخلاصة"❷:وهُو المختارُ.❸

❶ فتاویٰ قاضیخان علی ھامش الفتاوی الھندیة،کتاب الصوم،الفصل الثانی فی النیة، ۱/ ۲۰۱

❷ خُلاصة الفتاویٰ،کتاب الصّوم،الفصل الثانی فی المقدمة وفیھا مسائل یتعلّق بنیة الصوم،ص۲۵۲

❸ الفتاویٰ التتار خانیة،کتاب الصوم،الفصل الثالث فی النیّة، ۲/ ۲۷۳

یعنی، اگر کسی پر ایک ماہِ رمضان کے دو دن کی قضا واجب ہو اور وہ قضا کا ارادہ کرے تو یوں نیت کرے کہ میں اُس رمضان کے اُس پہلے دن کا روزہ رکھتا ہوں جس کی قضا مجھ پر واجب ہے یا دوسرے دن کی (نیت کرتا ہوں) جس کی قضا مجھ پر واجب ہے اور اگر دن کا تعیّن نہ کیا اور صرف رمضان کی قضا کی نیت کی اور کچھ نیت نہ کی تو بھی جائز ہے خواہ ایک ماہِ رمضان کے روزے ہوں یا دو ماہِ رمضان کے اور "خلاصہ" میں ہے کہ یہی قول مختار ہے۔

اور علّامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری حنفی متوفی ۵۴۲ھ 1 لکھتے ہیں اور اُن سے نقل کرتے ہوئے علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت 2 نے لکھا ہے: إذا وجب علیه قضاءُ یومینِ من رمضانَ واحدٍ ینبغی أن ینویَ أوّل یومٍ وجبَ علیهِ قضاؤه من هذا الرّمَضانِ و إن لَم یُعیِّن الأوّلَ یجوزُ و کذا لو کانَ علیهِ قضاءُ یومینِ من رمضانَین هُو المختارُ و لو نویٰ القضاءَ لا غیر یجوزُ و إن لم یُعیِّن.

یعنی: اگر کسی پر ایک رمضان کے دو دن کے روزوں کی قضاء واجب ہو، تو یوں نیت کرے کہ میں اُس رمضان کے اُس پہلے دن کا روزہ رکھتا ہوں، جس کی قضا مجھ پر واجب ہے اور اگر پہلے دن کا تعیّن نہ کیا تو بھی جائز ہے یوں ہی اگر اُس

1 خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصوم، الفصل الثانی فی المقدمۃ وفیھا مسائل یتعلّق بنیۃ الصوم، ص ۲۵۲

2 الفتاویٰ الھندیۃ، کتاب الصوم، الباب الأوّل فی تعریفہ و تقسیمہ و سببہ و وقتہ وشرطہ، ۱/ ۱۹۶

کے ذمّہ دو رمضانوں کے دو دن کی قضاء واجب ہو (تو بھی جائز ہے) یہی مختار ہے اور اگر اُس نے صرف قضاء کی نیت کی اور کچھ نیت نہ کی تو بھی جائز ہے اگرچہ اُس نے دن کا تعین نہ کیا۔

اور علّامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد ابنِ نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:وَإذا وجَب علیه قضَاء یومَین من رمضان واحِدینوی أوّل یومٍ وجب عَلیه وإنْ لم ینوِجازوإنْ کانا رمضَانین ینوی قضاء رمضان الأوّل فإن لم یَنوذلك اختلف المَشایخ فیه وَالصحیح الاجزَاء۔ [1]

یعنی:جب کسی پر ایک رمضان کے دو روزوں کی قضاء واجب ہو تو جو سب سے پہلے روزہ قضاء ہوا اُس کی نیت کرے گا اگر ایسا نہ کیا تو بھی درست ہے اور اگر دو رمضان کے دو روزوں کی قضاء ہے تو پہلے رمضان کے روزہ کی نیت کرے گا اور اگر پہلے کی نیت نہ کی تو اِس میں مشائخ کا اختلاف ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ اُس کی قضاء کی نیت تب بھی درست ہے۔

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: کئی روزے قضا ہو گئے تو نیّت میں یہ ہونا چاہیے کہ اُس رمضان کے پہلے روزے کی قضا، دوسرے کی قضا اور اگر کچھ اِس سال کے قضا ہو گئے، کچھ اگلے سال کے باقی

---

[1] البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصّوم،باب ما یفسد الصوم ومالا یفسده،تحت قوله:وأفاد بالتشبیه...إلخ،۲/ ۴۸۵

ہیں تو یہ نیت ہونی چاہیے کہ اِس رمضان کی اور اُس رمضان کی قضا اور اگر دن اور سال کو معین نہ کیا، جب بھی ہو جائیں گے۔ (1)

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الثلاثاء، ۲/ رجب المرجب، ۱۴۲۳ھ ۱۰/ سبتمبر، ۲۰۰۲م JIA-313

## حیلہ شرعیہ کا دائرہ کار

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ چونکہ زکوٰۃ کا جلدی ادا کرنا ضروری ہے اِس لئے اگر زکوٰۃ کی رقم حیلہ کر کے رکھ لینا کہ سال بھر اِس کو تقسیم کیا جاسکے، کیا اِس طرح کرنا کیا شرعاً جائز ہے؟

(سائل: محمد شہزاد قادری، جمشید روڈ، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدس الجواب: حیلہ صِرف ضرورتِ شرعیہ کے لئے جائز قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ فقیہِ اعظم ہند مفتی شریف الحق امجدی حنفی متوفی ۱۴۲۰ھ حدیثِ اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا کی شرح میں لکھتے ہیں: حیلۂ شرعیہ کی یہ حدیث بھی اصل ہے۔ ضرورتِ شرعیہ کے وقت اِس قسم کا حیلہ کرنے کی اجازت ہے... بلا ضرورتِ شرعیہ زکوٰۃ، فطرے کی رقم مستحقّین کے علاوہ میں صرف کرنا سخت مذموم ہے خصوصاً غیر دینی کاموں میں... الخ۔ (2)

---

(1) بہارِ شریعت، روزہ کا بیان، ۱/۵/۹۷۱

(2) نزھة القاری شرح صحیح البخاری، ۲/ ۹۲۱

بغیر کسی ضرور شرعیہ کے حیلہ کرنا مکروہ و ممنوع ہے چنانچہ ملّا عبد الرّحیم حنفی فرماتے ہیں: وَإنْ کان بعد الوجوبِ فإنّه یُکرہُ. ❶

یعنی: اگر زکاۃ واجب ہونے کے بعد حیلہ ہوا تو یہ مکروہ ہے۔

اور علّامہ اکمل الدین بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں: وھُو مکروہٌ بالإجماعِ. ❷

یعنی: (اگر وجوب کے بعد حیلہ کیا تو) یہ بالاجماع مکروہ ہے۔

اور علّامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں: فأمّا بعد الوجوبِ فمکروہٌ اتفاقاً. ❸

یعنی: بہر حال اگر (شفعہ) واجب ہونے کے بعد حیلہ کیا تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ بلاضرورت حیلہ کرنا ممنوع ہے البتہ ضرورتِ شرعیہ کے پیشِ نظر حیلہ کرنا درست ہے ضرورتِ شرعیہ جیسے مسجد یا مدرسہ کے لئے یا میت کے دفن کے لئے اگر صدقاتِ واجبہ کے علاوہ رقم میسر نہ ہو تو صدقاتِ واجبہ کی رقم حیلہ کرکے استعمال ہو سکتی ہے اگر اُس کے علاوہ رقم میسر نہ ہو۔

چنانچہ علّامہ فرید الدین عالم بن علاء دہلوی حنفی متوفی ۷۸۶ھ فرماتے ہیں

---

❶ خزانۃ العُلماء، کتاب الزکاۃ، ۱/ ۲۶۱، مخطوط مصور

❷ العنایۃ شرح الھدایۃ، کتاب الشفعۃ، تحت قولہ: ولا تکرہ الحیلۃ، ۵/ ۵۱۷

❸ البنایۃ شرح الھدایۃ، کتاب الشفعۃ، تحت قولہ: ولا تکرہ الحیلۃ...إلخ، ۱۱/ ۳۸۶

:الحیلةُ فِیه أن یَتصدَّقَ بها علیٰ فقیرِ من أهلِ المیّتِ ثم یکفِّنُ به المیّتُ فیکونُ به ثوابُ الصَّدقةِ و لأهلِ المیّتِ ثوابُ التکفینِ. ❶

یعنی: (اگر کوئی شخص زکاۃ کی رقم سے میت کا کفن تیار کرنا چاہے تو) اُس کا حیلہ یہ ہے کہ خاندانِ میّت کے کسی فقیر پر صدقہ کردے اور وہ میّت کا کفن تیار کردے تو مالک کے لئے صدقے کا ثواب اور اہل میت کے لئے تکفین کا ثواب ہوگا۔

اِسی طرح علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے:إذَا أراد أن یکفّنَ میتاً عن زکاة مالِه لا یجوزُ والحیلة فیه أن یتصدقَ بها علی فقیرٍ من أهل المیتِ ثمّ هو یکفنُ به المیتَ فیکونُ له ثوابُ الصدقةِ ولأهلِ المیتِ ثواب التکفینِ وکذٰلك في جمیعِ أبوابِ البرِّ التي لا یقعُ بها التملیكُ کعمارةِ المساجدِ وبناءالقناطرِ. ❷

یعنی، اگر اپنی زکاۃ سے میت کا کفن تیار کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے اِس کا حیلہ یہ ہے کہ خاندانِ میت کے کسی فقیر پر صدقہ کرے اور وہ میت کا کفن تیار کر دے تو اب مالک کے لئے صدقہ کا ثواب اور اہلِ میت کے لئے تکفین کا ثواب ہوگا اور یہی حکم اُن تمام اُمورِ خیر میں جاری ہوگا جن میں تملیک نہیں پائی جاتی جیسے مساجد کی تعمیر اور پُل کی تعمیر وغیرہ۔

اِسی طرح ساداتِ کرام کی مالی معاونت کے لئے بھی حیلہ کرنا ضرورت

---

❶ الفتاویٰ التاتار خانیه، کتاب الحیل، الفصل الثانی، ۱۰/ ۳۱۸

❷ الفتاویٰ الهندیة، کتاب الحیل، الفصل الرابع فی الصوم، ۶/ ۳۹۲

قرار دیا گیا ہے، اگر صدقاتِ واجبہ کے علاوہ رقم میسر نہ ہو۔

چنانچہ امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں: اور متوسط حال والے اگر مصارفِ مُستحبہ کی وسعت کو نہیں دیکھتے تو بحمد اللہ وہ تدبیر ممکن ہے کہ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہو اور خدمتِ سادات بھی بجا ہو یعنی کسی مسلمان، مصرفِ زکوٰۃ معتمد علیہ (قابل اعتماد) کو کہ اِس کی بات سے نہ پھرے مالِ زکوٰۃ سے کچھ روپے بنیّتِ زکاۃ دے کر مالک کر دے، پھر اُس سے کہے تم اپنی طرف سے فلاں سید کی نذر کر دو اِس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوٰۃ اُس فقیر کو گئی اور یہ جو سیّد نے پایا نذرانہ تھا اُس کا فرض ادا ہو گیا اور خدمتِ سیّد کا کامل ثواب اُسے اور فقیر دونوں کو ملا۔ (1)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ صُورتِ مسئولہ میں حیلہ کرنا درست نہیں ہے؛ کیونکہ یہاں ضرورتِ شرعیہ نہیں پائی جارہی البتہ اگر کوئی پیشگی زکاۃ دینا چاہتا ہے تو درمیانِ سال میں آہستہ آہستہ دیتا رہے اور سال مکمل ہو جانے پر حساب لگا کر بقیہ رقم فوراً ادا کر دے۔

چنانچہ امام اہلسنّت فرماتے ہیں: ہاں پیشگی دینے میں اختیار ہے کہ بتدریج دیتا رہے سالِ تمام پر حساب کرے اُس وقت جو واجب نکلے اگر پورا دے چکا بہتر اور کم گیا ہے تو باقی فوراً اب دے اور زیادہ پہنچ گیا تو اُسے آئندہ سال میں مجرا لے۔ (2)

---

(1) فتاوی رضویہ، کتاب الزکاۃ، ۱۰/۱۰۶

(2) فتاوی رضویہ، کتاب الزکاۃ، ۱۰/۲۰۲

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الجمعة، ۲۲ رمضان المبارك ۱٤۳٦ھ، ۱۰ یولیو ۲۰۱۵ م JIA-1248

# رمی قربانی اور حلق کے بعد طوافِ زیارۃ کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مفتیانِ شرع متین اِن مسائل میں کہ

۱- کیا کوئی شخص ۱۰ ذوالحجہ کے غروب آفتاب سے پہلے رمی سے فراغت حاصل کر کے غروبِ آفتاب کے بعد قربانی کرتا ہے تو حلق کے بعد مکّہ مکرّمہ جا کر طوافِ زیارت کس وقت تک ادا کر سکتا ہے؟

۲- کیا کوئی شخص ۱۰ ذوالحجہ کی رمی سے فراغت کے بعد ۱۱ ذوالحجہ کے طلوع آفتاب کے بعد قربانی و حلق سے فراغت کے بعد طوافِ زیارت کے لئے مکہ مکرمہ جا سکتا ہے؟ (سائل: محمد افضال عطاری، برنس روڈ، کراچی)

باسمه تعالیٰ و تقدس الجواب: طوافِ زیارت کا وقت دس، گیارہ اور بارہ ذوالحجہ ہے۔

چنانچہ امام ابو بکر بن علی حدّادی حنفی متوفی ۸۰۰ھ لکھتے ہیں: وَالطواف المفرُوض وقته أيّام النحر. (1)

یعنی: طوافِ مفروض کا وقت ایامِ نحر ہے۔

اِسی طرح علّامہ محمد بن عبداللہ بن احمد تمرتاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ

---

(1) الجوهرة النيرة، كتاب الحج، تحت قوله: فيطوف بالبيت طواف...إلخ، ۱/ ۳۸۳

اور علّامہ علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:(ثم طاف للزّیارۃیوماًمن أیام النّحر) الثّلاثۃبیان لِوقتہ الواجب.❶

یعنی: پھر ایامِ نحر کے تین دنوں میں سے کسی ایک میں طوافِ زیارت کرے، یہ اُس طواف کے واجب وقت کا بیان ہے۔

اور علّامہ سیّد محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: والزّمان وھُو یوم النّحر ومَابعدہ.❷

یعنی: اور طوافِ زیارت کا زمانہ یومِ نحر اور اُس کے مابعد ہے۔

اور طوافِ زیارت کے وقت کے ابتدائی وقت کے بارے میں علّامہ ابو بکر حدّادی لکھتے ہیں:وأوّل وقت الطّواف بعد طُلوع الفجرمن یوم النّحرلأنّ ما قبلہ مِن اللّیل وقت وُقوف بعرفۃوالطوَاف مرتّب علیہ.❸

یعنی: اس طواف کا اول وقت یومِ نحر کی طلوعِ فجر سے ہے؛ کیونکہ اُس سے ماقبل جورات کا وقت ہے وہ وُقوفِ عرفہ کا وقت ہے اور طواف اُسی وقوفِ عرفہ کے بعد ترتیب دیا گیا ہے۔

اور علّامہ تمرتاشی لکھتے ہیں:و أوّلُ وقتہ بعد طلوع الفَجر من یومِ

---

❶ تنویر الأبصار و شرحہ الدّرالمختار،کتاب الحج، فصل فی الإحرام وصفۃ المفرد بالحج،ص۱٦۳

❷ ردّالمحتارعلی الدّرالمختار،کتاب الحج،فصل فی الإحرام وصفۃ المفرد بالحج، مطلب: معنی طواف الزیارۃ،تحت قولہ:ثم طاف للزیارۃ، ۳/ ٦۱٤

❸ الجوھرۃ النیرۃ،کتاب الحج، تحت قولہ:فیطوف بالبیت طواف...الخ،۱/ ۳۸۳

النحر.❶

یعنی: اور اُس طواف کا اول وقت یوم نحر کی طلوعِ فجر سے ہے۔

## افضل وقت:

اور طوافِ زیارت دسویں تاریخ میں کرنا افضل ہے۔

چنانچہ علّامہ ابو بکر حدّادی لکھتے ہیں: وأوّل هٰذه الأيام أفضل كما في التضحية.❷

یعنی: اِن ایام کا پہلا دن افضل ہے جیسا کہ قربانی کرنے میں پہلا دن افضل ہے۔

اِسی طرح علّامہ تمر تاشی اور علّامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں: (وهو فيه) أيْ الطواف في يوم النحر الأوّل (أفضل).❸

یعنی: طوافِ زیارت یوم نحر کے پہلے دن افضل ہے۔

## تاخیر کی وجہ سے دم لازم ہو گا:

اور اگر کوئی اُس وقت میں طواف ادا نہ کر سکا تو بہر حال اُس کو طواف کرنا لازم اور تاخیر کی وجہ سے دم دینا لازم ہو گا۔

چنانچہ علّامہ تمر تاشی اور علّامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں: (فإنْ أخره

---

❶ تنویر الابصار، کتاب الحج، فصل فی الإحرام وصفة المفرد بالحج، ص۱۶۳

❷ الجوهرة النيرة، کتاب الحج، تحت قوله: فيطوف بالبيت طواف...إلخ، ۱/ ۳۸۳

❸ تنویر الأبصار وشرحه الدرالمختار، کتاب الحج، فصل فی الإحرام وصفة المفرد بالحج، ص۱۶۳

عَنها)أی أیام النَّحرولیالیھامنھا (کُرہ) تحریماً (و وجب دم) لِترك الواجب.❶

یعنی: اگر طوافِ زیارت کو نحر کے دنوں اور راتوں سے مؤخّر کیا تو مکروہِ تحریمی ہے اور ترکِ واجب کی وجہ سے دم واجب ہے۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

الإثنین ۲۵ شوال المکرم ۱۴۲۳ھ/ ۳۰ دسمبر ۲۰۰۲م JIA-391

## نکاح میں دولہا حاضر نہ ہو تو

الاستفتاء: کیافرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ میری بیٹی کی شادی کا پروگرام و تاریخ طے شُدہ ہے، لڑکے (دولہا) کا ایکسیڈنٹ ہو کر ٹانگ میں فریکچر پڑ گیا ہے، اب اُلجھ گئے ہیں کہ رُخصتی کا مسئلہ کس طرح حل ہو، لڑکا (دولہا) کا مسجد یا ہال میں حاضر نہ ہوسکنے پر رُخصتی کس طرح کریں، تاریخ 31-10-01 رکھی گئی ہے، لڑکا (دولہا) حاضر نکاح نہ ہو تو رُخصتی کس طرح ہو؟

(سائل: عبدالرحمن بن محمد یوسف، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدّس الجواب: دولہا اگر مجلسِ نکاح میں حاضر نہ ہو سکے، تو اُس کا وکیل اُس کی طرف سے مجلسِ نکاح میں ایجاب یا قبول کرلے، تو نکاح درست ہو جائے گا، یہ اِسی طرح ہے جس طرح ہمارے ہاں دلہن مجلسِ نکاح میں نہیں آتی اُس کا وکیل حاضر ہو کر اس کی طرف سے ایجاب یا قبول کرتا ہے کیونکہ

---

❶ تنویر الأبصار وشرحہ الدرالمختار،کتاب الحج،فصل فی الإحرام وصفة المفرد بالحج، ص ۱۶۳

وکالت نام ہے "جائز و معلوم تصرف میں کسی غیر کو اپنی جگہ قائم کرنے کا"۔

چنانچہ صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ محمود بن صدر الشریعہ اکبر محبوبی حنفی متوفی ۷۴۷ھ لکھتے ہیں: هِي تفويضُ التّصرف إلىٰ غيره. ❶

یعنی، اپنے غیر کو حقِ تصرّف سپرد کرنا "وکالت" ہے۔

اور علّامہ محمد بن عبد اللہ بن احمد تمر تاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ لکھتے ہیں: و هو إقامة الغَير مقام نفْسه في تصرّف جائز مَعلوم. ❷

یعنی، اپنی جگہ غیر کو جائز و معلوم تصرُّف میں اپنا قائم مقام کرنا "وکالت" ہے۔

ظاہر ہے کہ نکاح بھی ایک جائز و معلوم تصرُّف ہے لہٰذا اُس میں وکالت درست ہے۔

چنانچہ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں: أَنَّ النَّجَاشِيَّ زَوَّجَ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدَاقِ أَرْبَعَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ وَكَتَبَ بِذٰلِكَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبِلَ. ❸

---

❶ النقاية مختصر الوقاية في مسائل الهداية، كتاب الوكالة، ص١٦٩

❷ تنوير الأبصار مع شرح الدر المختار، كتاب الوكالة، ص٤٩٨

❸ سُنَن أبي داوٗد، كتاب النّكاح، باب الصّداق، برقم الحديث: ٢١٠٨، ٢/ ٤٠٣

یعنی، نجاشی بادشاہ نے اُمِّ حبیبہ بنتِ ابی سُفیان رضی اللہ عنہما کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چار ہزار درہم مہر پر کیا اور اِس کا خط لکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف بھیج دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمالیا۔

لہذا نکاح میں وکالت جائز ہے یہی فُقہائے کرام نے بیان فرمایا۔

جیسا کہ علّامہ حسام الدین شہید عمر بن عبدالعزیز ابنِ مازہ حنفی متوفی ۵۳۶ھ لکھتے ہیں: یَصحّ النکَاح للمُؤکل. ❶

یعنی: مؤکّل کا نکاح درست ہے۔

اور امام علاؤالدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں: ثمّ النکاح کَما ینعقد بِھذہ الألفاظ بطر یقِ الاصالۃ ینعَقد بھا بطر یق النِیابۃ بالوکالۃ والرِّسالۃ لأنّ تَصرُّف الوَکیل کتصرُّفِ المؤکّلِ. ❷

یعنی، نکاح جس طرح ایجاب و قبول سے بطریق اصالت منعقد ہو جاتا ہے، اِسی طرح ان الفاظ کے ساتھ وکالت اور خط کے ذریعے نائب بنانے سے بھی منعقد ہو جاتا ہے؛ کیونکہ وکیل کا تصرّف، مؤکل کے تصرّف کی طرح ہے۔

اور علّامہ کاسانی ایک مقام پر لکھتے ہیں: وَیجوز (التوکیل) بِالنّکاح (فی

---

❶ الفتاویٰ الصغریٰ، کتاب النکاح، الفصل الأول فی ألفاظ النکاح والوکیل...إلخ، ق۳۳/ ب، مخطوط مصوّر

❷ بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی رکن النکاح، ۳/ ۳۲۲

عقد النکاح). [1]

یعنی، عقدِ نکاح کا وکیل بنانا جائز ہے۔

اور نکاح کے بعد مُروّجہ رُخصتی بھی ضروری نہیں کیونکہ نکاح کے بعد وہ عورت شرعاً، قانوناً جس سے نکاح ہوا ہے اُس کی بیوی ہے لہٰذا اب شوہر کے پاس جانے کے لئے مُروّجہ لوازمات کا پورا کرنا اُسے ضروری نہیں ہے وہ جس طرح بھی شوہر کے پاس جائے یہی "رُخصتی" ہے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لئے ہمارا فتویٰ (JIA:1256) کا مطالعہ فرمائیں۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الإثنین، ۹ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ، ۲۵ ینایر ۲۰۱۰م JIA-1016

## عدّت کا خرچہ کس پر اور عورت عدّت کہاں گزارے گی؟

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ لڑکی اگر طلاق مانگے اور بے حد سمجھانے کے باوُجود بھی وہ نہ سمجھے بلکہ خلع یا طلاق ہی مانگے، تو اِس صُورت میں شوہر اگر خلع یا طلاق دے دے، تو عدّت کا خرچہ بھی شوہر کو دینا ہوگا یا نہیں اور عدّت کا خرچہ کے علاوہ شوہر پر کیا لازم ہے اور عورت اگر شوہر کے گھر عدّت نہ گزارے، تو اِس میں کون گنہگار ہوگا؟

(سائل: طاہر قادری، پار کو کمپنی، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: بغیر ضرورتِ شرعیہ طلاق کا مطالبہ

---

[1] بدائع الصنائع، کتاب الوکالۃ، فصل فی شرائط الرکن، ۷/ ۴۳۳

انتہائی غیر مناسب اور ممنوع ہے اور ایسی عورت کے بارے میں وعید ہے کہ وہ جنّت کی خوشبو تک نہ سونگھ سکے گی۔

چنانچہ امام ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب عمری تبریزی متوفی ۷۴۱ھ حدیث شریف نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِي غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ. (1)

یعنی: جو عورت اپنے شوہر سے بغیر ضرورت طلاق کا سوال کرے تو اُس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

لہذا اِس طرح عورت کا طلاق طلب کرنا درست نہیں ہے اور اگر شوہر طلاق دے دے، تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر عورت، شوہر سے خلع مانگے اور شوہر قبول کرلے، تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔

چنانچہ علّامہ برہان الدین علی بن ابو بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں: وَإِذا تشاقّ الزوجانِ وخافَا أن لا يقيمَا حدُود الله فلا بأس بأَن تفتدي نفسهَا منه بمال يخلعها بِه. (2)

یعنی: اور جب میاں بیوی آپس میں جھگڑا کریں اور اُن دونوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود قائم نہ رکھ سکیں گے تو اِس میں کوئی حرج نہیں کہ عورت شوہر کو بطور

---

(1) مشكاة المصابيح، كتاب الطلاق، باب الخلع والطلاق، الفصل الثاني، برقم الحديث: ۳۲۷۹، ۱-۲/ ۶۰۱

(2) الهداية شرح بداية المبتدی، كتاب الطلاق، باب الخلع، ۲/ ۳۰۱

فدیہ وہ مال دے جس کے ذریعہ شوہر عورت کو خلع دے۔

اور مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: خُلع میاں بیوی کی رضا مندی سے ہوتا ہے بیوی اور شوہر میں نا اتفاقی پیدا ہو جائے اور ایک دوسرے کے ساتھ رہنا نہ چاہتے ہوں تو خُلع کر سکتے ہیں۔ اگر شوہر کی طرف سے زیادتی ہو تو خلع پر مال لینا مکروہ ہے اور اگر زیادتی بیوی کی طرف سے ہو تو شوہر نے جتنا مال مہر میں دیا ہے اُتنا لے سکتا ہے اُس سے زیادہ لینا مکروہ ہے اور جب خلع کر لیں تو طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی اور جو مال خُلع کے بدلے طے ہو گا عورت پر اُس کا ادا کرنا لازم ہو گا۔ (1)

لہٰذا جب خُلع یا طلاق واقع ہو جائے تو دورانِ عدّت عورت کا نفقہ مرد پر لازم ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا: ﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (2)

ترجمہ: عورتوں کو وہاں رکھو جہاں خود رہتے ہو اپنی طاقت بھر اور اُنہیں ضَرر نہ دو کہ اُن پر تنگی کرو اور اگر حمل والیاں ہوں تو اُنہیں نان نفقہ دو یہاں تک کہ اُن کے بچہ پیدا ہو۔ (کنز الایمان)

---

(1) وقار الفتاویٰ، کتاب الطلاق، خلع کا بیان، ۲۰۱/۳

(2) الطلاق: ۶/۶۵

اِس آیت کے تحت علّامہ ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر شیرازی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں: أيْ مكاناً من مكان سُكناكم. ❶

یعنی: وہ جگہ جہاں تم رہتے ہو (وہاں عدّت میں عورت کو رکھو)۔

اور صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: طلاق دی ہوئی عورت کو تا عدّت رہنے کے لئے اپنے حسبِ حیثیت مکان دینا شوہر پر واجب ہے اور اِس زمانہ میں نفقہ دینا بھی واجب ہے.... اور نفقہ جیسا حاملہ کو دیناواجب ہے ایسا ہی غیر حاملہ کو بھی خواہ اُس کو طلاقِ رجعی دی ہو یا بائن۔ ❷

اور یہ حکمِ قرآنی فقہائے احناف نے اپنی اپنی کتُب میں بھی درج کیا ہے۔

چنانچہ علّامہ حسن بن منصور اوزجندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں: المعتدّة عن الطّلاق تَستحق النّفقة والسُّكنیٰ كان الطّلاق رجعيًا أو بائِنا أو ثلاثًا حاملًا كانت أو لم تكن. ❸

یعنی: طلاق کی عدّت والی عورت، نفقہ اور رہائش کی مستحق ہوگی خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن ہو یا طلاقیں تین ہوں یا عورت حاملہ ہو یا نہ ہو۔

اور عدّت اُس مکان میں گزارنا واجب ہے، جس میں بوقتِ طلاق شوہر کے ساتھ رہتی ہو اِس بارے میں مفتی وقار الدین قادری لکھتے ہیں: شوہر کی موت یا طلاق کے وقت عورت جس مکان میں ہوگی اُسی میں عدت گزارے گی بغیر مجبوری

---

❶ تفسیر البیضاوی، سورۃ الطلاق، تحت الآیۃ: ۶۵، ۵/ ۲۲۲

❷ خزائن العرفان، سورۃ الطلاق، تحت الآیۃ: ۶، ص ۱۰۳۴

❸ فتاویٰ قاضیخان، کتاب النکاح، فصل فی نفقۃ العدۃ، ۱/ ۴۴۰

کے مکان بھی تبدیل نہیں کر سکتی ہے۔لہذا جب مکان اُس کی ملکیت ہے، تو اُس مکان میں عدت گزارنا واجب ہے۔ [1]

لہذا مرد اپنی مطلّقہ کو اپنے گھر، نان نفقہ اور رہائش دینے پر راضی ہو پھر بھی عورت اُس گھر میں عدّت نہ گزارے تو اَب عورت گنہگار ہو گی اور ایسی عورت کو عدّت کا خرچہ دینا بھی مَرد لازم نہ ہو گا۔

والله تعالى أعلم بالصواب

الجمعة، ١٨ ربيع الآخر ١٤٢٦ھ. ٢٧ مئی ٢٠٠٥ م JIA-586

## عورت عدت کہاں گزارے گی نان نفقہ اور بچے کا خرچہ کس کی ذمہ داری ہو گی؟

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ ہندہ کو طلاق ہو گئی ہے کہ نکاح میں ہوتے ہوئے بات بات پر مار پیٹ کا سلسلہ رہا، اب جب کہ طلاق واقع ہو گئی ہے، عدّت اپنے شوہر کے گھر میں کیسے گزارے؟ اب ہو سکتا ہے کہ اُسے جان سے مار دیا جائے یا بہت زیادہ تشدّد کیا جائے جیسا کہ نکاح میں رہنے کے باوُجود ہو تا رہا، اپنی ماں کے گھر جا کر عدّت گزارنا مجبوری ہے جو کہ شرعی عُذر ہے، عدت کا نان، نفقہ کس کی ذمّہ داری ہے نیز جیسا کہ لڑکے کی پرورش کی سات سال تک ذمّہ داری ماں کی ہے تو کیا سات سال تک بچے کی پرورش کا خرچہ بھی ماں کی ذمّہ داری ہے یا باپ کی؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت

---

[1] وقار الفتاویٰ، کتاب الطلاق، خلع کا بیان، ٣/٢٠٢

فرمائیے۔ (سائل: محمد الطاف قادری، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدّس الجواب: اِس مسئلہ کا جواب تین حصّوں پر مشتمل ہے، **پہلے حصّے** میں اِس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم، دوسرے میں عورت کو عدت کے دوران سابقہ شوہر کے گھر سے نکالنے کا حکم اور تیسرے میں عورت کے نان، نفقہ کا مسئلہ اور بچے کی پرورش کا خرچہ ہے۔

طلاق دینے والے شوہروں کو اور اُن کی مُعتدّہ عورتوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ﴾ [1]

ترجمہ: اور اپنے ربّ اللہ سے ڈرو، عِدّت میں اُنہیں اُن کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ آپ نکلیں۔ (کنز الایمان)

مذکورہ آیت کے تحت صدر الافاضل سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: عورت کو عِدّت شوہر کے گھر پوری کرنی لازم ہے اور نہ شوہر کو جائز ہے کہ مُطلَّقہ کو عِدّت میں گھر سے نکالے اور نہ اُن عورتوں کو وہاں سے خود نکلنا رَوا۔ (خزائن العرفان، سورۃ الطلاق، تحت الآیۃ:۱، ص۱۰۳۱، مطبوعہ: مکتبۃ المدینۃ، کراچی)

اور اللہ عزّوجلّ کا ارشاد ہے: ﴿وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ﴾ [2]

ترجمہ: اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھا بے شک

---

[1] الطلاق:۶۵/ ۱

[2] الطلاق:۶۵/ ۱

اُس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔(کنزالایمان)

مذکورہ آیت کے تحت صدر الافاضل سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں: اگر عورت فحش بکے اور گھر والوں کو ایذاء دے تو اس کو نکالنا جائز ہے؛ کیونکہ وہ ناشزہ (نافرمان) کے حکم میں ہے۔ ❶

اور ایک جگہ قرآن مجید میں ہے: ﴿اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ ❷

ترجمہ: مگر یہ کہ کوئی صریح بے حیائی کی بات لائیں۔(کنزالایمان)

اور امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان نقل کرتے ہیں: الْفَاحِشَةُ الْمُبَيِّنَةُ أَنْ تَفْحُشَ الْمَرْأَةُ عَلَى أَهْلِ الرَّجُلِ وَتُؤْذِيَهُمْ. ❸

یعنی: صریح بے حیائی کی بات یہ ہے کہ عورت مرد کے گھر والوں سے فحش بکے اور انہیں ایذاء دے۔

اور ایک مقام پر امام بیہقی، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا دوسرا فرمان نقل کرتے ہیں: إِنْ تَبْذُوْ عَلَى أَهْلِهَا فَإِذَا بَذَتْ عَلَيْهِمْ فَقَدْ حَلَّ لَهُمْ إِخْرَاجُهَا. ❹

---

❶ الطلاق:٦٥/ ١

❷ خزائن العرفان، سورۃ الطلاق، تحت الآیۃ:١، ص١٠٣١

❸ السنن الكبرى للبيهقي،كتاب العدد،باب ماجاء في قول الله عزّوجلّ:إلا أن يأتين...إلخ،٧/ ٧٠٩،برقم الحديث:١٥٤٨٥

❹ السنن الكبرى للبيهقي،كتاب العدد، باب ماجاء في قول الله عزوجل:إلا أن يأتين...إلخ،٧/ ٧٠٨، برقم الحديث: ١٥٤٨٤

یعنی: اگر عورت اپنے اہل سے بد کلامی کرے، لہٰذا جب عورت اُن سے کوئی بد کلامی کرے تو اُن کے لئے اُس عورت کو نکالنا حلال ہے۔

اگر شوہر نے اُسے طلاقِ بائن یا مُغلّظہ دی ہو اور شوہر فاسق ہو جس سے اس عورت کے ساتھ بد فعلی کا خوف ہو اور وہاں کوئی ایسا نہ ہو جو اُس کی نیتِ بد کو روک سکے تو ایسی صُورت میں وہ عورت اُس مکان سے نکل جائے کیونکہ یہ عُذر ہے پھر جس مکان میں منتقل ہوئی وہاں سے نہ نکلے، بہتر طریقہ یہ ہے کہ مرد خود اُس مکان سے نکل جائے اور عورت کو وہیں عِدّت گزارنے کے لئے چھوڑدے کیونکہ عورت پر عِدّت والے گھر میں ٹھہرنا واجب ہے اور شوہر پر واجب نہیں۔ اِسی لئے بہتری اِسی میں ہے کہ مرد گھر چھوڑ دے۔

چنانچہ علّامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابنِ ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں: إلّا أن يكون فاسقاً فحينئذٍ تخرج لأنّه عُذر والأولى أن يخرج هو.[1]

یعنی: مگر جب شوہر فاسق ہو تو اُس وقت عورت عِدّت کے گھر سے نکل سکتی ہے؛ کیونکہ یہ عُذر ہے اور بہتر یہ ہے کہ شوہر خود ہی نکل جائے۔

اِسی طرح اگر گھر میں کوئی اور نہیں اور مکان آبادی کے کنارے پر ہو اور اُسے وہاں جان یا مال کا خوف ہو یا صرف تنہا رہنے سے خوف کھاتی ہو یا مکان تو آبادی میں ہے مگر عورت کو سابقہ شوہر یا اُس کے گھر والوں کی طرف سے جان کا خطرہ ہو،

---

[1] فتح القدير، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل: وعلى المبتوتة والمتوفى عنها زوجها... إلخ، تحت قوله: ثم لابدّ من سترٍ بينهما، ٤/ ١٦٨

اِس صُورت میں بھی مکان بدلنے کی اجازت ہو گی۔

چنانچہ امام بیہقی اپنی سند سے اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتی ہیں: اَنَّ فَاطِمَةَ کَانَتْ فِیْ مَکَانٍ وَحْشٍ فَخِیْفَ عَلٰی نَاحِیَتِهَا فَلِذٰلِکَ أَرْخَصَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ. (1)

یعنی: فاطمہ بنتِ قیس رضی اللہ عنہا وحشت والے مکان میں تھیں اور اُس مکان کے آبادی کے کنارے پر ہونے پر خوف کیا گیا، اِسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اُنہیں مکان بدلنے کی اجازت عنایت فرمائی۔

اور فاطمہ بنتِ قیس رضی اللہ عنہا کو اُن کے شوہر نے یمن جاتے ہوئے بیک وقت تین طلاقیں دے دی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تینوں طلاقوں کو نافذ فرمادیا تھا، لہذا وہ مُطلّقہ مُغلّظہ تھیں اور شوہر اُن کے پاس نہ تھے۔

اور عُذر پائے جانے کی صُورت میں مطلّقہ بائنہ کو مکان بدلنے کی شرعاً اجازت دی گئی ہے۔

مُعتدہ اگر مُطلّقہ بائنہ یا مُغلّظہ ہو اور کسی شرعی عُذر کی بناء پر مکان بدلنا پڑے تو ضروری نہیں کہ وہ مکان قریب ہی ہو دُور بھی لیا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ علّامہ سید محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: عیّن إنتقالها إلٰی أقرب المواضع مما انهدم فی الوَفاة و إلٰی حیث شاء

---

(1) السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب العدد، باب سکنی المتوفی عنها...إلخ، ۷/ ۷۱۲، برقم الحدیث: ۱۵۴۹۵

ث فی الطّلاق.[1]

یعنی: مکان مُنہدم ہونے کی صُورت میں عِدّتِ وفات میں زیادہ قریب جگہ کی طرف عورت کا منتقل ہونا متعین ہو گا اور عِدّتِ طلاق میں جہاں عورت چاہے منتقل ہو سکتی ہے۔

اور جس مکان کی طرف منتقل ہو جائے پھر اُسے نہ چھوڑے عِدّت وہیں پوری کرے۔

چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں: وحُکم مَا إنتقلَت إلیه حُکم المسکَن الأصلیِّ فَلاتخرج مِنه.[2]

یعنی: اور جس مکان کی طرف عورت شرعی عذر کی وجہ سے منتقل ہوئی، اُس کا حکم اصل رہائش والا ہے لہذا وہاں سے نہ نکلے۔

اور عورت پر شوہر کے ہی گھر میں عِدّت گذارنا شرعاً واجب ہے۔ جب تک کوئی شرعی عُذر نہ پایا جائے اُسی گھر میں رہے گی۔

اور عورت کا نفقہ شوہر پر واجب ہے جب کہ عورت شرعاً ناشزہ نہ ہو اور بچہ سات سال کی عمر تک ماں کے پاس رہے گا جب کہ وہ بچے کے کسی محرم سے شادی نہ کرے ورنہ اُس کے پاس نہیں رہے گا اور بچے کا مکمل خرچہ اُس کے باپ پر واجب ہے

---

[1] ردّ المحتار علی الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدّة، فصل فی الحدّاد، مطلب: الحق أن علی المفتی أن ینظر ... إلخ، ٥/ ٢٢٩

[2] ردّ المحتار علی الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدة، فصل فی الحدّاد، مطلب: الحق أن علی المفتی أن ینظر ... إلخ، ٥/ ٢٣٠

خواہ بچہ اپنی ماں کے پاس رہے۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الجمعۃ، ۲۰ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ، ۲۷ ستمبر ۲۰۱۳ م JIA-1199

## اُردو زبان میں لفظ "چھوڑنا" سے طلاق

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ میں رات کو گھر دیر سے آیا تو میری بیوی ناراض تھی اور مجھ سے کہنے لگی آپ مجھے چھوڑ دو، تو کہا، ہاں میں تجھے چھوڑتا ہوں، رونے لگی اور پھر باتوں باتوں میں ایک مرتبہ پھر یہی جملہ کہا تو وہ زور زور سے رونے لگی تو میں نے کہا: "میں تمہیں چھوڑتا ہوں" بولنے سے کچھ نہیں ہوتا، یاد رہے کہ بیوی کو اِن الفاظ کے کہنے سے طلاق کی ہرگز نیت نہیں تھی۔ (سائل: عبد الغفار، کراچی)

باسمہ تعالی و تقدّس الجواب: صُورتِ مسؤلہ میں شوہر نے جب یہ کہا کہ "ہاں میں تجھے چھوڑتا ہوں" تو ایک طلاقِ رجعی واقع ہو گئی، جب دوسری بار کہا تو دوسری طلاقِ رجعی واقع ہو گئی، لہذا دو رجعی طلاقیں واقع ہو گئیں؛ کیونکہ اُردو زبان میں یہ لفظ، صریح ہے اور اِس سے رجعی طلاق واقع ہوتی ہے، چاہے طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو۔

اِس میں تفصیل یہ ہے کہ الفاظِ طلاق کی دو قسمیں ہیں ایک "صریح" دوسری "کنایہ"۔ **صریح**: وہ الفاظ ہیں جو فقط طلاق کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور طلاق کے غیر کا احتمال نہیں رکھتے اور **"کنایہ"** وہ الفاظ ہیں جو طلاق کا احتمال بھی رکھتے ہیں اور طلاق کے غیر کا بھی۔

چنانچہ اور علّامہ عالم بن العلاء انصاری اندرپتی دہلوی حنفی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں: الأصل فی ھٰذا النوع مِن الألفَاظ: کلّ لَفظ من الفَارسیة یستَعمل فِی الطّلاق ولا یستَعمل فی غَیرہ فھُو کصَریح الطّلاق بالعَربیة و إنْ کانَت اللّفظة مستعمَلة فی الطّلَاق و غَیرہ فھوَ بمَنزلَة کنایاتِ بالعرَبیة. ❶

یعنی، الفاظ کی اِس قسم میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر لفظ جو فارسی (عربی کے علاوہ زبان) میں طلاق کے لئے استعمال ہوتا ہو اور اُس کے غیر میں استعمال نہ ہوتا ہو، وہ عربی میں طلاقِ صریح کی طرح ہے اور اگر وہ طلاق اور اُس کے غیر میں دونوں میں استعمال ہوتا ہو، تو وہ عربی کے کنایات کی طرح ہے۔

اور شیخ الاسلام مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی حنفی متوفی ۱۱۷۴ھ لکھتے ہیں: أنّه قد صرّح فی المتونِ کلّها وجُلِّها بأنّ الصریحَ: ما لم یحتمل غیرَ الطلاقِ، والکنایةَ: ما یحتملُه وغیرَہ، وقال فی البحر شرح الکنز❷: ما حاصلُه أن الصریحَ فی أصولِ الفقهِ ماغلبَ استعمالُه فی معنی بحیثُ یتبادرُ حقیقةً أو مجازاً وفی الفقه ھھنا ما استُعملَ فی الطلاق دون غیرِہ، والکنایةُ فی أصولِ الفقهِ: ما یَستترُ المرادُ منه فی نَفسِهِ، وفی الفِقه ھٰھنا: مااحتملَ الطلاقَ وغیرَہ انتھی. ❸

---

❶ الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات، نوع آخر: فی قوله: بهشتم ومایتصل به، ۳/ ۲۳۳

❷ البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الطلاق، باب الطلاق، تحت قوله: الصریح کانت إلخ، ۳/ ۴۳۷

❸ تمام العنایة، فی الفرق بین الصریح والکنایة، ص۲۸، مخطوط مصوّر

یعنی، مُتون کے ایک بڑے حصّہ میں صراحت ہے کہ "صریح" وہ ہے جو طلاق کے غیر کا احتمال نہ رکھتا ہو اور کنایہ وہ ہے جو طلاق اور غیر طلاق (دونوں) کا احتمال رکھتا ہو اور "بحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں ہے جس کا حاصل ہے کہ بیشک اُصولِ فقہ میں صریح وہ ہے جس کا غالب استعمال ایسے معنی میں ہو کہ جس سے وہی معنی متبادر ہو جائے حقیقت ہو یا مجاز اور فقہ میں یہاں صریح وہ ہے جس کا استعمال طلاق میں ہو نہ کہ غیر میں اور اُصولِ فقہ میں کنایہ وہ ہے کہ جس سے مراد دل میں پوشیدہ ہو اور فقہ میں کنایہ وہ ہے جو طلاق اور غیر طلاق (دونوں) کا احتمال رکھتا ہو۔

لفظِ "طلاق" کے علاوہ طلاق کے دیگر الفاظ کے بارے میں مختلف زبانوں اور علاقوں کے اعتبار سے اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض الفاظ کو بعض علاقوں میں صریح کے حکم میں لیا جاتا ہے اور اُنہی الفاظ کو دوسرے علاقوں میں کنایہ کے حکم میں لیا جاتا ہے۔ اِس میں دیکھا جاتا ہے کہ وہ لفظ اُس علاقے میں فقط طلاق کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے پھر جب اُس لفظ کی نسبت عورت کی طرف کی جاتی ہے تو بلا نیّت اُس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے ؛ کیونکہ وہ لفظ اُس وقت صریح کے حکم میں ہوتا ہے ، لہٰذا اِس بارے میں قاعدہ بیان کرتے ہوئے علّامہ علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ [1] لکھتے ہیں اور اُن کے حوالے سے مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی [2] نقل کرتے ہیں: والأصْل الذی علَیه الفتویٰ فی زَمانِنا هذا فی الطلاقِ

---

[1] بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، فصل: و منها النیة، ٤/ ٢٢٥

[2] تمام العنایة فی الفرق بین الصّریح الطلاق و الکنایة، ص٢٩، مخطوط، مصوّر

بالفَارِسِيّة:أنّه إنْ كان فيها لفظٌ لا يستَعملُ إلا في الطّلاقِ فذلك اللفظُ صريحٌ يقع به الطلاق مِن غيرنيةٍ إذا أضيفَ إلى المرأة مثل أن يقالَ في عُرفِ ديارنا:"زن رها كرديم"أو عُرف العراق: "بهشتم"،لأنّ الصريحَ لا يختلفُ باختلاف اللّغاتِ.(واللّفظ للثاني).

یعنی، ہمارے زمانے میں فارسی (یا عربی کے علاوہ کوئی اور زبان) میں طلاق کے بارے میں قاعدہ، جس پر فتویٰ ہے وہ یہ ہے کہ اگر فارسی زبان میں کوئی لفظ ایسا ہے جو صرف طلاق کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے تو وہ لفظ صریح ہے، اُس سے بلا نیّت، طلاق واقع ہو جائے گی جبکہ اُسے عورت کی طرف منسوب کیا ہو جیسا کہ ہمارے دیار کے عُرف میں کہاجاتا ہے "زن رہا کردیم" یا عراق کے عُرف میں کہاجائے "بہشتم" کیونکہ صریح الفاظ لُغات کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوتے۔

اِسی طرح ہمارے ہاں پاک وہند میں اردو زبان میں لفظ "چھوڑنا" طلاق کے معنی میں صریح ہے کہ اگر کوئی یہ لفظ اپنی بیوی کو کہے، تو اِس سے طلاق ہی مراد لی جاتی ہے کچھ اور نہیں لہذا مذکورہ لفظ سے بغیر نیتِ طلاق بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔

چنانچہ امامِ اہلسنّت امام احمد رضا حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: عورت کو "چھوڑدینا" عرفاً طلاق میں صریح ہے۔ (1)

اور اپنے مایہ ناز حاشیہ میں ایک مقام پر امامِ اہلسنت لکھتے ہیں: فکذا

(1) فتاوی رضویہ، باب الکنایہ، ۱۲/ ۵۸۳

"چھوڑنا" بلسانِنا۔[1]

یعنی: اِسی طرح (الفاظِ صریح میں سے) ہماری زبان اردو میں لفظ "چھوڑنا" بھی ہے۔

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: اردو میں یہ لفظ کہ "میں نے تجھے چھوڑا"، صریح ہے اِس سے ایک رجعی ہو گی، کچھ نیت ہو یا نہ ہو۔[2]

لہٰذا عبد الغفار کی زوجہ پر دو طلاقیں رجعی واقع ہو گئیں، اب اگر وہ عدّت میں یعنی حاملہ نہ ہو تو تین ماہواریوں کے اندر، حاملہ ہو تو وضعِ حمل سے قبل اور آئسہ یا صغیرہ ہو تو تین ماہ کے اندر رُجوع کرلے تو مذکورہ عورت بدستور اُس کی بیوی رہے گی اور رُجوع یہ ہے کہ اپنی زوجہ سے ہمبستری کرلے یا بوس و کنار کرے یا شہوت سے چھولے یا زبان سے کہہ دے کہ میں نے جو دو طلاقیں رجعی دی تھیں اُن سے میں نے رُجوع کیا اور آخری طریقہ تہمت سے بچنے کے لئے افضل ہے۔

چنانچہ علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلماءِ ہند کی ایک جماعت[3] لکھتے ہیں: ومِن الصریح ارتجعتُكِ ورجعتُك وردَدتك وأمسَكتُكِ فهذه يَصير مُراجعاً بها بلانيةٍ....كذا في "فتحِ القدير"[4].

---

[1] جدّالممتار علی ردّالمحتار، باب الصریح، تحت قوله: بأنه رجعی،۵/ ۶۹

[2] بہار شریعت، کتاب الطلاق، صریح کا بیان، ۲/۸/۱۱۶

[3] الفتاویٰ الھندیّة، کتاب الطّلاق، الباب السّادس فی الرجعة وفیما تحلّ به المطلّقة وما یتصل به، ۱/ ٤٦٨

[4] فتح القدیر، کتاب الطلاق، باب الرجعة، ٤/ ۱۵

یعنی: رَجعت کے الفاظ یہ ہیں، "میں نے تجھ سے رُجوع کیا یا تجھ کو واپس لیا یا روک لیا" یہ سب صریح الفاظ ہیں کہ اِن میں بلا نیت بھی رجعت ہو جائیگی اِسی طرح "فتح القدیر" میں ہے۔

اور رُجوع کی صُورت میں آئندہ اُسے صِرف ایک طلاق کا حق رہے گا جب بھی ایک طلاق دے گا تو سابقہ دو مل کر مُغلّظہ ہو جائیں گی، پھر بے حلالہ شرعیہ دوبارہ حلال نہ ہو گی، چناں چہ قرآنِ کریم میں ہے: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. (1)

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق اُسے دے دی تو اب عورت اُسے حلال نہ ہو گی، جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

اور اگر رُجوع نہیں کرتا اور عدّت گزر جاتی ہے تو وہ بالکل آزاد ہے، اُس کی مرضی جس سے چاہے شادی کرے اور اگر اُسی سے کرنا چاہے تو بھی کر سکے گی مگر آئندہ نکاح کی صُوت میں بھی عبد الغفار کو صرف ایک طلاق کا حق رہے گا۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الإثنين، ١٩ صفر المظفر ١٤٣٥ھ، ٢٣ دسمبر ٢٠١٣ م JIA:1230

## زبردستی طلاقِ شرعی اور غیر شرعی کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ مدّعی سیّد محمد شعیب بن محمد اقبال نے اپنی زوجہ اُمّ حبیبہ بنتِ محمد عباس کو تین

(1) البقرة: ٢/ ٢٣٠

طلاقیں دیں اور اُن کے ساتھ اِس معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں ہوئی۔ اب یہ اور اُن کے والد باہر برادری میں یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم سے زبردستی بندوق رکھ کر دستخط لئے گئے ہیں جو کہ سراسر جھوٹ ہے، براہِ مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ (سائل: محمد عامر قادری، کیماڑی، کراچی)

باسمه تعالیٰ و تقدس الجواب: پوچھی گئی صُورت میں اگر واقعی شوہر نے طلاق نامہ پر دستخط خود بغیر کسی زبردستی یا اکراہِ شرعی کے کئے، تو طلاق واقع ہو گئی۔

اور اگر اِس معاملہ میں شوہر سچا ہے اور حقیقتاً اکراہِ شرعی پایا گیا مثلاً اُسے قتل کرنے یا ہاتھ پاؤں ناکارہ کرنے کی دھمکی دی اور شوہر نے جانا اگر میں دستخط نہیں کرتا تو جیسا کہ دھمکانے والا کہہ رہا ہے کر ڈالے گا تو اِس صُورت میں صرف طلاق نامہ پر دستخط کر دیئے مگر دل سے نیت نہ کی اور نہ زبان سے کہا تو طلاق واقع نہ ہو گی۔

چنانچہ اکراہِ شرعی کی تعریف کرتے ہوئے علامہ حسن بن منصور اُوزجندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں: ثُمّ الإکراہ علیٰ نوعَین إمّا إن هدّده بوعید قیدٍ أو حبسٍ أو هدّده بقتلٍ أو إتلافِ عُضوٍ کالسّمعِ والبصرِ واللّسان وما أشبه ذٰلك.[1]

یعنی: پھر اِکراہ (جبر) کی دو قسمیں ہیں: یا تو اُس کو قید و بند کی دھمکی دی ہو یا قتل کرنے کی یا کسی عضو کو ناکارہ بنانے کی جیسے کان، ناک، زبان وغیرہ اعضاء کو تلف

[1] فتاویٰ قاضیخان علیٰ هامش الهندیة، کتاب الإکراہ، ۳/ ۴۸۳

کرنے کی دھمکی دی۔

جو زبانی طلاق دینے میں زبردستی کا دخل نہیں ہے اور تحریری طلاق دینے میں دخل ہے اِسی وجہ سے زبانی طلاق جبراً ہو یا بلا جبر بہر حال واقع ہو جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی جبراً زبانی طلاق دے دے یا زبان سے اپنے غلام کو آزاد کر دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے اور غلام آزاد ہو جاتا ہے اور تحریری طلاق جبراً دے تو واقع نہیں ہوتی کہ تحریری طلاق میں جبر کا دخل ہے۔

چنانچہ علّامہ قاضی خان لکھتے ہیں اور اُن کے حوالے سے علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت (1) نے لکھا ہے: رجلٌ أکرہَ بالضرب و الحبسِ علی أنْ یکتبَ طلاق امرأتِہ فلانۃ بنتِ فلانٍ بن فلان فکتَب امرأتہ فلانۃبنت فلانٍ بنِ فلان طالق لاتطلقُ امرأتہ کذافي ''فتاوی قاضیخان'' (2)

یعنی: ایک شخص کو مجبور کیا گیا کہ تو اپنی بیوی فلانہ بنتِ فلاں بن فلاں کو طلاق لکھ دے ورنہ تجھے مارا جائے گا یا قید کر دیا جائے گا، اس نے لکھا کہ اس کی بیوی فلانۃ بنتِ فلاں بن فلاں طلاق والی ہے، تو ایسی صُورت میں طلاق واقع نہیں ہو گی، اِسی طرح ''فتاویٰ قاضی خان'' میں ہے۔

---

(1) الفتاویٰ الھندیۃ، کتاب الطلاق، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابۃ، ۱/ ۳۷۹

(2) فتاویٰ قاضیخان علی ھامش الھندیۃ، کتاب الطلاق، فصل فی الطلاق بالکتابۃ، ۱/ ۴۷۲

اِسی طرح علّامہ زین الدین بن ابراہیم ابنِ نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے اور اِن کے حوالے سے علّامہ سید محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:وَفی "البحر" ❶ أنّ المرادَ الإکراہ علی التلفّظ بالطلاقِ فلو أکرہ علیٰ أن یَکتبَ طلاق امرأته لا تطلقُ لأنَّ الکتابة أقیمَت مقام العبارةِ باعتبار الحاجة ولا حاجةَ ھنا.(واللّفظ للثانی) ❷

یعنی:"البحر الرّائق"میں ہے کہ جبر سے مراد لفظِ طلاق کہنے پر جبر کیا گیا ہو اور اگر اپنی بیوی کو طلاق لکھنے پر مجبور کر دیا گیا تو طلاق واقع نہ ہوگی اِس لئے کہ تحریر باعتبارِ حاجت عبارت کے قائم مقام ہوتی ہے اور یہاں کوئی حاجت نہیں۔

اِسی طرح علّامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن محمد ابنِ نجیم حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ لکھتے ہیں:ولَو أکرہ علی کتابتہٖ فکتب فلانة بنت فلانٍ طالقٌ لم یقع علّله فی"الخانیةِ"بأنَّ الکتابة أقیمت مقامَ العبارة باعتبار الحاجةِ.❸

یعنی:اگر لکھنے پر مجبور کیا گیا اور اُس نے لکھا:"فلانہ بنتِ فلاں طلاق والی ہے"،تو طلاق واقع نہ ہوگی اس کی وجہ"خانیہ"میں یہ بیان کی گئی کہ کتابت باعتبارِ حاجت عبارت کے قائم مقام ہوتی ہے۔

---

❶ البحر الرائق شرح کنز الدقائق،کتاب الطلاق،تحت قولہ:ولو مکرھاً، ۳/ ۴۲۹

❷ ردّالمحتار علی الدّرالمختار،کتاب الطلاق،مطلب فی الإکراہ علی التوکیل بالطلاق...إلخ،تحت قولہ:لا إقرارہ بالطلاق، ۴/ ۴۲۸

❸ النھر الفائق شرح کنز الدقائق، کتاب الطلاق،تحت قولہ:ولو مکرھاً،۲/ ۳۱۷

اور امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: اگر کسی کے جبر و اِکراہ سے عورت کو خطرہ میں طلاق لکھی یا طلاق نامہ لکھا اور زبان سے لفاظِ طلاق نہ کہے تو طلاق نہ پڑے گی۔ ❶

اور زبانی طلاق ہر صُورت میں واقع ہو جاتی ہے۔

چنانچہ علّامہ محمد بن فراموز ملّا خسرو حنفی متوفی ۸۸۵ھ لکھتے ہیں: يقع طلاقُ كلّ زوج عاقلٍ بالغٍ حر أو عبد ولو مكرهًا. ❷

یعنی: ہر عاقل، بالغ، آزاد یا غلام کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اگرچہ مکرَہ ہو۔

اور علّامہ ابو بکر بن علی حدّادی حنفی متوفی ۸۰۰ھ لکھتے ہیں اور اُن کے حوالے سے علّامہ نظام الدین اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت ❸ نے لکھا ہے: يقع طلاق كلُّ زوجٍ إذا كان بالغاً عاقلاً سواء كان حُرّاً أو عبداً طائعاً أو مُكرَهاً كذا في "الجوهرة النيرة" ❹.

یعنی: ہر بالغ عاقل شوہر کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اگرچہ آزاد ہو غلام ہو خوشی سے ہو یا زبردستی اِسی طرح "الجوهرة النيرة" میں ہے۔

اِسی طرح محمد بن ابی بکر بروتی حنفی لکھتے ہیں: كلّ طلاق جائز إلا

---

❶ فتاویٰ رضویہ، کتاب الطلاق، ۱۲/ ۳۸۵

❷ الدُّرر الحکام فی شرح غرر الحکام، کتاب الطلاق، ۱/ ۳٦۰

❸ (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطلاق، فصل فيمن يقع طلاق و فيمن لا يقع طلاقه، ۱/ ۳۵۳

❹ الجوهرة النيرة، كتاب الطلاق، تحت قوله: طلاق المكره والسكران واقع، ۲/ ۱٦٤

طلاق الصبيِّ والمجنون.❶

یعنی: ہر طلاق جائز ہے سوائے بچے اور پاگل کی طلاق کے۔

اور علّامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: بأنَّ الثلثَ تصحُّ معَ الإكراهِ استحساناً.❷

یعنی: یہ تینوں (طلاق، عتاق، نکاح) اِکراہ کے ساتھ صحیح ہے استحسان کے طور پر۔

والله تعالى أعلم بالصواب

يوم الجمعة، يكم جمادى الأولى ١٤٣٤ھ، ١٢ إبريل ٢٠١٣ م JIA-1181

## تین طلاقوں کے بعد نکاح کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ میرے شوہر محمد عمران ولد نور محمد نے مجھے یعنی یاسمین بانو بنت محمد عمر کو میری رضا مندی سے 8/2/2012 اور 16/2/2012 اور 7/3/2012 کو طلاقیں دیں، اُس نے مجھے یہ لفظ کہے کہ "میں اللہ کو حاضر وناظر جان کر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں"، جب کہ اُس کی میرے علاوہ کوئی اور بیوی نہیں تھی۔ براہِ مہربانی مجھے قرآن و سنّت کی روشنی میں فتویٰ جاری کیا جائے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ میں نے خاموشی سے ساڑھے چار مہینے عدّت گزار لی اور کچھ عرصے بعد گھر والوں کو بتایا، اب میں اپنی زندگی کی نئی شروعات کرنا چاہتی ہوں اور نکاح کرنا چاہتی ہوں، کیا میں کسی اور کے

---

❶ تبصرة الأنوار شرح تنوير الأبصار، كتاب في بيان أحكام الطلاق، تحت قوله: ويقع طلاق كل زوج... إلخ، ق١٦٨/ ألف، مخطوط مصوّر

❷ ردّ المحتار على الدّر المختار، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق... إلخ، تحت قوله: فإن طلاقه صحيح، ٤/ ٤٢٧

نکاح میں جا سکتی ہوں؟ (سائلہ: بمعرفت شاہد، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدّس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں اگر واقعی شوہر نے تین طلاقیں رجعی اپنی زوجہ کو دے دیں جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، تو تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور یہ عورت اپنے شوہر پر حُرمتِ مغلّظہ کے ساتھ حرام ہو گئی اور اب بے حلالہ شرعیہ دوبارہ حلال نہ ہو گی۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ (1)

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق اُسے دے دی تو اب عورت اُسے حلال نہ ہو گی، جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (کنز الایمان)

پھر اِس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی حنفی متوفی ۱۱۴۳ھ (2) لکھتے ہیں: وَفِی مُوَطَّا مَالِكْ (3) بَلَغَه أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنِّيْ طَلَّقْتُ اِمْرَأَتِي مِائَةَ تَطْلِيْقَةٍ فَمَا ذَا تَرىٰ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ طُلِّقَتْ مِنْكَ ثَلَاثاً وَ سَبْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ اِتَّخَذْتَ بِهَا اٰيَاتِ اللهِ هُزُواً.

یعنی: مؤطا امام مالک میں ہے کہ امام مالک کو یہ خبر پہنچی کہ ایک شخص نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے

---

(1) البقرۃ: ۲/ ۲۳۰

(2) تفسیر المظھری، سورۃ البقرۃ، تحت الآیۃ: ۲۳۰، ۱/ ۳۳۶

(3) المؤطاء للإمام مالک، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی البتۃ، برقم الحدیث: ۶۲۵، ص ۳۴۵

دیں تو آپ کا اِس بارے میں کیا خیال ہے ؟ تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: وہ تیری طرف سے تین سے مطلّقہ ہو چکی اور ستانوے طلاقوں کے ذریعے تو نے اللہ پاک کی آیتوں کا مذاق اُڑایا۔

اور یہی حدیث الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد نمری قرطبی متوفی ۴۶۳ھ (1) نقل کرتے ہیں

اور امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ (2) اپنی سند سے حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: كُنتُ عندَ ابْنِ عَباسٍ فَجاءَهُ رَجُلٌ فَقالَ إنهُ طلَّقَ إمْرَأته ثلاثاً قَالَ فَسكَتَ حَتّٰى ظَنَنْتُ أنَّهُ رَادُّهَا إلَيْهِ،ثُمَّ قَالَ يَنطَلِقُ أَحدُكُم فَيَرْكَبُ الْحُمُوقَةَ ثُمَّ يَقُوْلُ يَا ابْنَ عبّاسٍ يَا ابنَ عبَّاسٍ وَإِنَّ الله قال: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ (3) وإنك لم تَتَّقِ الله فَلَا أَجِدُ لَكَ مَخْرجاً عَصَيْتَ ربَّكَ وبَانَتْ مِنكَ إمْرأَتُكَ وإنَّ الله قَالَ: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ﴾ (4)

یعنی: میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر تھا

---

(1) الاستذكار،كتاب الطلاق،باب ماجاء في البتة،برقم الحديث،١١١٥، ٦/ ٣

(2) سنن أبي داؤد،كتاب الطلاق،باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث،برقم الحديث: ٢١٩٧، ٢/ ٤٤٩

(3) الطلاق:٦٥/٢

(4) الطلاق:٦٥/ ١

کہ ایک شخص آیا اُس نے کہا کہ اُس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا آپ اُس عورت کو مرد کی طرف واپس لوٹا دیں گے پھر آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جاتا ہے اور حماقت پر سوار ہو جاتا ہے پھر کہتا ہے اے ابنِ عباس، اے ابنِ عباس۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "جو اللہ سے ڈرے اللہ اُس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا" (کنز الایمان) اور تو اللہ سے نہیں ڈرا، لہذا میں تیرے لئے کوئی راہ نہیں پاتا تو نے اپنے ربّ تعالیٰ نافرمانی کی اور تیری عورت تجھ سے بائنہ ہو چکی ہے۔ اور اللہ عزّوجلّ نے فرمایا: اے نبی جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت پر انہیں طلاق دو۔ (کنز الایمان)

اور اِسی طرح یہ حدیث علّامہ علاؤالدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ نے بھی نقل فرمائی: وَ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ يَرْكَبُ الْأُحْمُوقَةَ فَيُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ أَلْفًا ثُمَّ يَأْتِي فَيَقُولُ: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ وَإِنَّ اللهَ تَعَالَىٰ قَالَ: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ (1) وَإِنَّكَ لَمْ تَتَّقِ اللهَ فَلَا أَجِدُ لَكَ مَخْرَجًا بَانَتْ إِمْرَأَتُكَ وَعَصَيْتَ رَبَّكَ. (2)

---

(1) الطلاق: ۲۸/ ۲

(2) بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، فصل فی حکم طلاق البدعۃ، ۴/ ۲۰۷

یعنی: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا :"بے شک تم میں سے ایک بندہ حماقت پر سوار ہو کر اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیتا ہے پھر مجھ سے آکر کہتا ہے: اے ابنِ عباس، اے ابنِ عباس حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:ترجمہ:"اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اُس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا"(کنز الایمان) بے شک تو اللہ سے نہیں ڈرا، لہذا میں تیرے لئے کوئی راہ نہیں پاتا، تیری عورت بائنہ ہو گئی ہے اور تو نے اپنے رب کی نافرمانی بھی کی ہے"۔

اور عدّت گزرنے کے بعد مذکورہ عورت آزاد ہے جس سے چاہے نکاح کر لے۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الأربعاء، ۲۲ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ، ۲۷ نوفمبر ۲۰۱۳ م JIA-1203

## تم میری طرف سے آزاد ہو، سے کون سی طلاق واقع ہو گی؟

الاستفتاء: کیافرماتے ہیں عُلمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ میری بیوی جو کہ گزشتہ کئی روز سے اپنے میکے میں ہے، اُس نے مجھ سے عید کی خریداری کے لئے پیسے مانگے جو کہ میں نے اُس کو اپنی ذمّہ داری سمجھتے ہوئے ادا کر دیئے، پھر اُس نے مجھ سے موبائل فون پر میسج کر کے کہا کہ آپ کو خریداری کے لئے بازار لے کر جانا ہے اگر آپ نہیں جاسکتے، تو میں کسی اور کے ساتھ چلی جاؤں گی، میں نے غصّے میں اُس کو دوبارہ میسج کیا کہ "تم میری طرف سے آزاد ہو"، میرا مطلب تھا کہ تم جس کے ساتھ جانا چاہو چلی جاؤ، میرا مطلب اُس کو طلاق دینا نہیں تھا۔ آپ میرے اِس مسئلہ کا حل بتا دیں کہ طلاق ہوئی ہے کہ نہیں؟ جب کہ میری نیت یہ

نہیں تھی کہ میں اُس کو طلاق دے دوں۔ (سائل: عظیم احمد انصاری، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں اگر یہ کلمات میسج کرنے کے وقت شوہر کی یہی نیت تھی جو سوال میں مذکور ہے، تو کوئی طلاق واقع نہ ہو گی لیکن شوہر سے اِس پر حلف لیا جائے گا۔

چنانچہ علّامہ محمد بن عبد اللہ بن احمد تمر تاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ لکھتے ہیں: فَالقول له مع اليَمين لِإنكاره الطّلاق. ❶

یعنی: تو قسم کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہو گا کیونکہ وہ طلاق کا انکار کر رہا ہے۔

لہٰذا اگر اِن کلمات سے شوہر کی نیّت طلاق کی نہ ہو اور شوہر حلف اُٹھالے تو وہ عورت بدستور اُس کی بیوی رہے گی اور اگر اِن کلمات سے مراد طلاق ہو تو ایک طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی اور نکاح ختم ہو جائے گا۔

یہاں یہ بات جاننا بے حد ضروری ہے کہ طلاق کی دو قسمیں ہیں: (1) صریح (2) کنایہ۔

چنانچہ علّامہ برہان الدین علی بن ابو بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں: الطّلاق على ضَربين صريح وكِناية فالصَّريح قوله أنت طالق ومطلّقة وطَلّقتك فهذايقع به الطلاق الرجعِي. ❷

---

❶ تنویر الأبصار مع شرحه للحصكفي، كتاب الطلاق، باب التعليق، ص ۲۲۱

❷ الهداية شرح بداية المبتدي، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، ۲/ ۲٦٥

یعنی: طلاق کی دو قسمیں ہیں: صریح اور کنایہ، صریح الفاظ شوہر کا یہ کہنا ہے کہ تو طلاق والی ہے اور مطلّقہ ہے اور میں نے تجھے طلاق دی، لہٰذا اِن الفاظ سے طلاقِ رجعی واقع ہو گی۔

ایک اور مقام پر علّامہ مرغینانی لکھتے ہیں: وَأمّا الضَّربُ الثَّانِي وَهُو الْكِنايَاتُ لَا يَقعُ بِها الطَّلاقُ إلَّا بِالنِّيَّةِ أوْ بِدَلالَةِ الْحالِ...إذا نَوى بِها الطَّلاقُ كَانتْ واحِدةً بائِنةً...مِثْلُ قَولِه أنْتَ بَائنٌ وَبَتةٌ وَبَتلَةٌ وَحَرامٌ وَحَبلُكِ علىٰ غَارِبِكِ وِالْحقِي بِأهْلِكِ وخَليةٌ وبَرِيّةٌ ووَهَبتُكِ لِأهْلكِ وسَرّحتُكِ وفَارَقتُكِ وأمْرُكِ بِيدِكِ وَاخْتارِي وأنْتِ حُرّةٌ. (1)

یعنی: اور رہی دوسری قسم تو وہ کنایہ ہے اور کنایہ سے نیت یا دلالت حال کے ساتھ ہی طلاق واقع ہوتی ہے جب اُس سے طلاق کی نیت کی تو ایک طلاقِ بائن واقع ہو گی، جیسا کہ شوہر کہے کہ تو بائنہ ہے، اور قطعی طلاق والی ہے، اور خالص طلاق والی ہے اور حرام ہے اور تیری رسی تیرے کندھے پر ہے، اور تو اپنے گھر والوں سے جا مل، اور تو خالی ہے، اور بری ہے اور میں نے تجھے تیرے گھر والوں کو ہبہ کیا اور میں نے تجھے آزاد کیا، اور میں نے تجھے جدا کیا، اور تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، اور تو اختیار کر، اور تو آزاد ہے۔

ایسا ہی مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ نے اپنے

---

(1) الهداية شرح بداية المبتدي، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، ۱-۲/ ۲٦٥

"فتاویٰ" میں لکھا ہے: صُورتِ مسئولہ میں سائل کے تحریر کردہ الفاظ کہ میں شرع کے اعتبار سے اپنی بیوی کو نکاح سے آزاد کر رہا ہوں۔ اب میرا اِس سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ الفاظ کنایہ کے ہیں۔ ❶

اور دوسری صُورت میں طلاقِ بائن واقع ہونے کے بعد میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے کے لئے عورت کی رضامندی سے نئے مہر کے تقرر کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنا ہو گا۔

چنانچہ علّامہ مرغینانی لکھتے ہیں: وَإِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا دُونَ الثَّلَاثِ فَلَه أَنْ يَتَزَوَّجهَا فِي الْعِدَّةِ وبَعدِ انْقِضَائِهَا. ❷

یعنی: اور جب طلاق بائن ہو، تین سے کم ہو تو شوہر کو عدت میں اور عدت کے بعد عورت سے نکاح کرنے کا اختیار ہے۔

اور طلاق کی عدّت تین حیض ہے۔

چنانچہ علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور علمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے: إِذَا طَلَّقَ الرَّجلُ إمْرأته طَلَاقًا بَائِنًا ...وَهِي حُرَّةٌ مِمَّنْ تَحِيضُ فَعِدَّتُها ثَلَاثَةُ أَقْرَاءٍ. ❸

یعنی: جب شوہر اپنی بیوی کو طلاقِ بائن دے دے اور وہ عورت آزاد ہو ان عورتوں میں سے جن کو حیض آتا ہے تو اس عورت کی عدت تین حیض ہو گی۔

---

❶ وقار الفتاویٰ، کتاب الطلاق، طلاقِ رجعی اور بائن کا بیان، ۳/۱۵۹۔۱۶۰

❷ الهداية شرح بداية المبتدى، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، ۲/ ۲۹۷

❸ الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة، ۱/ ۵۲۶

اور آئندہ صرف دو طلاق کا اختیار رہے گا بشرطیکہ پہلے کوئی طلاق نہ دی ہو۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لئے ہمارا فتویٰ (JIA:330) ملاحظہ فرمائیں۔

واللہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الجمعة، ١٢ شوال المکرم ١٤٣٣ھ، ٣١ اغسطس ٢٠١٢ م JIA-1168

## حالتِ غصہ میں طلاق کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ میں نے اپنی بیوی سے گھریلو جھگڑے میں حالتِ غصہ میں کہہ دیا کہ "میں نے تجھے طلاق، طلاق، طلاق دی" تو اِن کلمات سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں، اگر ہو گی تو کتنی؟

(سائل: محمد عادل، اتحاد ٹاؤن، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدّس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں طلاقِ مغلّظہ واقع ہو گئی کہ اَب بغیر حلالۂ شرعیّہ مذکور شوہر کے لئے حلال نہ ہو گی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (1)

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق اُسے دی تو اب وہ عورت اُسے حلال نہ ہو گی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (کنز الایمان)

چنانچہ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ (2) اور امام مسلم بن حجاج

(1) البقرة: ٢/ ٢٣٠

(2) صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، برقم الحدیث: ٥٢٦١، ٣/ ٤١٣

قشیری متوفی ۲۶۱ھ [1] اپنی اپنی سند سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں: أَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ فَسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَحِلُّ لِلْأَوَّلِ قَالَ: لَا، حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الأَوَّلُ. (واللفظ للبخاری)

یعنی: ایک شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں پھر اُس عورت نے دوسرے سے شادی کر لی اور اُس نے عورت کو طلاق دے دی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا وہ حلال ہے پہلے کے لئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، یہاں تک کہ وہ اُس سے عملِ زوجیّت نہ کر لے جیسا کہ پہلے نے کیا۔

اور یاد رہے کہ غصہ وُقوعِ طلاق کو مانع نہیں ہے، غصہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

والله تعالى أعلم بالصواب

السبت ٢٠ رمضان ١٤٢٧ ھ ١٤ اكتوبر ٢٠٠٦ م JIA-737

## رضاعت کی مدت اور اُس کی حرمت کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ میں نے اپنے بھائی کی بیوی کا دودھ پانچ سال کی عمر میں زبردستی ایک دفعہ پیا تھا۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثا... إلخ، برقم الحدیث: ١٤٣٣، ١٠٥٦/٢

اب میں اُسی بھائی کی بیٹی سے اپنے بیٹے کا رشتہ کرنا چاہتی ہوں کیا یہ رشتہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ (سائلہ: زبیدہ بیگم معرفت شہزاد، برنس روڈ، کراچی)

باسمه تعالیٰ و تقدس الجواب: آپ کی اولاد اور آپ کی بھابھی کی اولاد کا آپس میں رشتہ کرنا شرعاً درست ہے؛ کیونکہ حُرمتِ نکاح مدّتِ رضاعت میں دودھ پلانے سے ثابت ہوتی ہے۔

چنانچہ علّامہ علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: وَ یثبت التحرِ یم فی المدّۃ فقط. (1)

یعنی: حُرمتِ نکاح فقط مدتِ رضاعت میں ثابت ہوتی ہے۔

اور دودھ پینے کی مدّت دو سال ہے جب کہ ڈھائی سال کی عمر تک بھی اگر بچہ کسی کا دودھ پی لے، تو اِس سے حُرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

چنانچہ حافظ الدین ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ اور شیخ مصطفیٰ بن محمد بن یونس طائی حنفی متوفی ۱۱۹۲ھ لکھتے ہیں: (وَإن قلّ فی ثلاثین شهراً ماحرم بالنسب) و قالا: سَنتان. (2)

یعنی: اور اگرچہ کم پئے تیس مہینے کی مدّت میں اِس سے بھی وہ رشتے حرام ہو جائیں گے، جو نسب سے حرام ہوتے ہیں اور صاحبین نے فرمایا کہ دو سال تک حُرمت ہوتی ہے۔

(1) الدّر المختار شرح تنویر الأبصار، کتاب النکاح، باب الرضاع، ص ۲۰۲
(2) کنز البیان مختصر توفیق الرحمن، کتاب الرضاع، ص ۱۲۳

اُس مدت کے گزر جانے کے بعد دودھ پینے سے حُرمت ثابت نہیں ہوتی۔

چنانچہ علّامہ برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ (1) لکھتے ہیں اور اُن کے حوالے سے علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت (2) نے لکھا ہے: وَ إذا مضتْ مدّة الرّضاع لم يتعلّق بالرّضاع تحريمٌ لقَوله عليه الصّلاة و السّلام: لَا رضاع بعد الفِصَال.

یعنی: جب رضاعت کی مدت گزر گئی تو دودھ سے حُرمت متحقق نہیں ہوگی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے دودھ چُھڑانے کے بعد دودھ کا رشتہ نہیں۔

اور علّامہ علاؤ الدین حصکفی (3) لکھتے ہیں: وَ يثبت حكمه وهو حلّ النظر و حُرمت المناكحة....في مدّته لابعدها لحديث أبي داود (4) "لا رضَاعِ بَعْدَ فِصالٍ وَلَا يتم بَعْدَ إحتلامٍ". ملخّصاً.

یعنی: اور رضاعت کا حکم جو کہ حِلّ نظر (دیکھنا حلال ہونا) اور حُرمتِ مناکحت (نکاح حرام ہونا) ہے، مدّتِ رضاعت میں ثابت ہوتا ہے نہ کہ بعد میں؛ کیونکہ امام ابوداؤد سلیمان بن داؤد طیالسی بصری متوفی ۲۰۴ھ روایت کرتے ہیں: دودھ

---

(1) الهداية شرح بداية المبتدی، كتاب الرضاع، ص ٢٤٣،٢٤٤

(2) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الرضاع، ١/ ٣٤٣

(3) الدّر المنتقیٰ فی شرح الملتقیٰ مع مجمع الانهر، كتاب الرضاع، ١/ ٥٥١

(4) مسند أبو داؤد، ما أسند جابر بن عبدالله الأنصاری، الأفراد عن جابر، برقم الحديث: ١٨٧٦، ٣/ ٣٢١

## چھڑانے کے بعد دودھ کا رشتہ نہیں اور بلوغ کے بعد یتیمی نہیں۔ ❶

### امامِ اعظم امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک مدّتِ رضاعت ڈھائی سال ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد علیہما الرحمہ کے نزدیک دو سال ہے جبکہ ڈھائی سال

❶ اور مدتِ رضاعت میں فقہائے کرام کا کافی اختلاف رہا ہے،امامِ اعظم کے نزدیک ڈھائی سال،امام ابو یوسف،،امام محمد ،امام شافعی اورامام احمد بن حنبل کے نزدیک دو سال،امام زُفر کے نزدیک تین سال،مالکیوں کے اِس بارے میں سات اقوال ہیں،ایک قول کے مطابق ایک یا دو مہینے،ایک قول کے مطابق کچھ ایام،ایک قول کے مطابق ایک مہینہ،ایک قول کے مطابق ایک مہینہ سے زیادہ کچھ دن،ایک قول کے مطابق مہینہ بھر سے کم،ایک قول کے مطابق دو سال کے بعد تین مہینے تک اور ایک قول کے مطابق دو سال چھ مہینے اور امام حسن بصری کے نزدیک چار سال،بعض کے نزدیک دس سال،بعض کے نزدیک پندرہ سال،بعض کے نزدیک بیس سال اور بعض کے نزدیک چالیس سال اور بعض کے نزدیک مکمل عُمر۔

چنانچہ شمس الدین سروجی ابو العباس احمد بن ابراہیم حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:ثم مدّة الرضاع:ثلاثون شهراً عِندأبي حنيفة وعندهما:ستتان وبه قال الشافعي وأحمدرحمة الله عليهما. وَعند زُفر:ثلاث سنين.وَاختلف المالكية بعد الحولَين على سبعةِ أقوال:الرضاع بعدالحولَين إلى شهر أو شهرَ ين...أيام يسيرة...الشَهر...بقدرزيادة الشهور...مثل نقصَان الشهر...يحرم بعد الحولَين إلىٰ ثلاثة شهور...يحرم بعدسنتَين ونصف.وعندالبصرى أربعُ سنين وقال بعضهم عشر سنين،و قيل خمسَة عشر سنة،وقيل عشرون سَنة،وقيل أربعون سنة وقيل جميع العُمر.(الغاية شرح الهداية،كتاب الرضاع،تحت قوله:وينبغى أن يكون فى مدّة الرضاع،۱۱/۳۵۸.۳۵۹.۳۶۰،مطبوعة:مكتبة الإمام الذهبي ،الكويت، الطبعة الأولىٰ ۱٤٤۲ھ.۲۰۲۱م)

یعنی:مدّتِ رضاعت امامِ اعظم کے نزدیک ڈھائی سال ہے اور صاحبین کے نزدیک دو سال اور اِسی کے قائل امام شافعی اورامام احمد بن حنبل ہیں اورامام زُفر کے نزدیک تین سال ہے اور مالکیہ میں دو سال کے بعد دودھ کی مدّت میں سات اقوال ہیں:دو سال کے بعد ایک یا دو مہینے تک،کچھ دن،ایک مہینہ،مہینہ سے کچھ زیادہ دن،مہینہ بھر سے کم،دو سال کے بعد تین مہینے تک اور ڈھائی سال۔اور امام حسن بصری کے نزدیک چار سال،بعض کے نزدیک دس سال،بعض کے نزدیک پندرہ سال،بعض کے نزدیک چالیس سال اور بعض کے نزدیک تمام عُمر ہے۔مترجم)

تک بھی بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے، تو دودھ کا رشتہ قائم ہو جائے گا۔

چنانچہ علامہ حسن بن منصور اوزجندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ ❶ لکھتے ہیں اور ان کے حوالے سے علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور علمائے ہند کی ایک جماعت ❷ نے لکھا ہے: وَ وقت الرّضَاع فی قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ مقدّر بثلاثین شهراً و قَالا بحولَین.

یعنی: اور مدتِ رضاعت امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق تیس ماہ ہے اور صاحبین نے فرمایا دو سال ہے۔

اور علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں: ثمّ مدة الرضَاع ثلاثون شهراً عند أبی حَنیفة رحمه الله، و قَالا سنتَان. ❸

یعنی: مدتِ رضاعت امام ابو حنیفہ کے نزدیک تیس (۳۰) ماہ ہے اور صاحبین کے نزدیک دو سال۔

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: نکاح حرام ہونے کے لیے ڈھائی برس کا زمانہ ہے یعنی دو ۲ برس کے بعد اگرچہ دودھ پلانا حرام ہے مگر ڈھائی برس کے اندر اگر دودھ پلا دے گی، حرمت نکاح ثابت ہو جائے گی اور اس کے بعد اگر پیا، تو حرمت نکاح نہیں اگرچہ پلانا جائز نہیں۔ ❹

---

❶ فتاویٰ قاضیخان، کتاب النکاح، باب الرضاع، ۱/ ۴۱۷

❷ الفتاویٰ الهندیة، کتاب الرضاع، ۱/ ۳۴۲

❸ الهدایة شرح بدایة المبتدی، کتاب الرضاع، ۱-۱/ ۲۵۷

❹ بہارِ شریعت، محرّمات کا بیان، دودھ کے رشتہ کا بیان، ۲/ ۳۶

صُورتِ مذکورہ میں اگر اِس مدّت کے دوران دودھ پیا ہوتا تو دودھ کا رشتہ ثابت ہوتا، مگر سوال میں پانچ سال کی عمر بتائی گئی ہے لہٰذا سائلہ اور اُس کی بھابھی کے درمیان دودھ کا رشتہ ثابت نہیں ہوا۔

چنانچہ علّامہ قاضی خان لکھتے ہیں: إذَا ارتضَع فی هٰذه المدّة تثبتُ الحُرمة.... ولو ارتضع بعد حولَین ونصف لا تثبت الحُرمة.[1]

یعنی: جب اِس مدت میں دودھ پیا تو حُرمت ثابت ہو گی اور اگر ڈھائی سال کے بعد پیا تو حرمت ثابت نہیں ہو گی۔

والله تعالی أعلم بالصواب

الجعمة ٢٧ جمادیٰ الأخریٰ ١٤٢٣ھ، ٦ ستمبر ٢٠٠٢م JIA-310

## اوقافِ مسجد کی بیع کا حکم نیز بیعانہ کی رقم ضبط کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنا مکان اپنے مرنے سے پہلے مسجد کے نام وقف کر دیا، اِس طرح وہ مکان مسجد کمیٹی کے قبضے میں آ گیا، اب جبکہ میں نے اُس مکان کو مسجد کمیٹی سے خریدنے کے لئے باون (52) ہزار روپے بطور بیعانہ جمع کروائے، مگر بعد میں کچھ وُجوہات کی وجہ سے سودا ختم ہو گیا، تو اب مسجد کمیٹی بیعانہ واپس کرنے سے منع کر رہی ہے، کیا ازروئے شرع یہ بیعانہ واپس نہ کرنا، جائز ہے؟

(سائل: سید محمد طاہر نعیمی، موسیٰ لین، کراچی)

---

[1] فتاویٰ قاضیخان، کتاب النکاح، باب الرضاع، ١/ ٤١٧

باسمہ تعالیٰ و تقدّس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں جاننا چاہئے کہ جو پراپرٹی مسجد کے لئے وَقْف کی گئی اور واقف نے اُسے مسجد کے لئے ہی وَقْف کیا تھا تو مسجد انتظامیہ اُس مکان کو بیچ نہیں سکتی۔

چنانچہ علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت (1) نے لکھا ہے: وفی "فتاوی النَّسفِيّة" (2) سُئِل عن أهلِ المحلّة باعوا وَقف المسجد لِأجل عمارةِ المسجد، قال لا يَجوز بأمر القاضی و غَيْرِہ کذا فی "الذَّخيرَة" (3).

یعنی "فتاویٰ نسفیہ" میں اہلِ محلّہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جنہوں نے تعمیرِ مسجد کے لئے وقفِ مسجد کو بیچ دیا، فرمایا کہ قاضی اور غیر قاضی کے حکم سے بھی بیچنا، جائز نہیں ہے۔ اِسی طرح "ذَخیرَہ" میں ہے۔

اسی طرح امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: وہ کہ واقف نے مسجد پر وَقْف کیا ہے اُسے کوئی نہیں بیچ سکتا، نہ مُتولّی، نہ اہلِ محلہ، نہ حاکم، نہ کوئی۔ (4)

---

(1) الفتاویٰ الهندية، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد...إلخ، مطلب: لو باع أهل المسجد ...إلخ، ۲/ ۴۶۳۔۴۶۴

(2) فتاویٰ النّسفية، مسائل المسجد، ص ۱۵، مخطوط، مُصوّر

(3) الذَّخيرَة البُرهانيَّة، کتاب الوقف، الفصل العشرون فی المساجد وما يتّصل بها، نوع آخر فی تصرّف أهْل المسجد، ۹/ ۷۲

(4) فتاویٰ رضویہ، کتاب الوقف، باب المسجد، مسجد کی موقوفہ زمین بیچنے کا حق کسی کو نہیں، ۱۶/ ۴۲۸

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: مسجد کے اوقاف بیچ کر اُس کی عمارت پر صَرف کر دینا، ناجائز ہے۔ [1]

اور پھر اگر بیچنا جائز بھی ہو تا تب بھی بیعانہ ضَبط کرنا شرعاً حرام ہے، جائز نہیں ہے اور بَیعانہ ضَبط کرنا حرام طریقہ سے مال کھانا ہے جس کی مُمانعت قرآنِ پاک میں موجود ہے۔

چنانچہ قرآن میں اللہ عزّوجلّ فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ. [2]

ترجمہ: اے ایمان والوں آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ (کنز الایمان)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں علّامہ ابوالقاسم محمد بن احمد بن محمد ابن جزی کلبی غرناطی متوفی ۷۴۱ھ لکھتے ہیں: يدخل فيه القِمار والغصَب والسرقة وغير ذٰلك [3]

یعنی، (آیت کے لفظ "بِالْبَاطِلِ") میں جُوا، غصب، چوری وغیرہ داخل ہیں۔

اِسی لئے ہمارے فُقہاءِ کرام نے کسی بھی مسلمان کا مال، ناحق طریقہ سے کھانے، اُسے غصب کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔

---

1. بہار شریعت، وقف کا بیان، مسائل فقہیہ، ۲/۵۶۴
2. النساء: ۴/ ۲۹
3. التسھیل لعلوم التنزیل، سورۃ النساء: تحت الآیۃ: ۲۹، ۱/ ۱۸۸

چنانچہ سراج الدین عمر بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۰۰۵ھ [1]، علامہ نظام الدین اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت [2] اور علامہ سیّد محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: لایجوزُ لأحدمن المُسلمین أخذ مال أحد بغیر سَبب شَرعِيٍ. (واللفظ للآخر) [3].

یعنی: کسی شرعی سبب کے بغیر کسی مسلمان کے مال کو لینا جائز نہیں ہے۔

اِسی طرح امامِ اہلسنت لکھتے ہیں: بیشک واپس پائے گا، بیع نہ ہونے کی حالت میں بَیعانہ ضَبط کرلینا جیسا کہ جاہلوں میں رَواج ہے، ظلمِ صریح ہے۔ [4]

اور مفتی جلال الدین احمد امجدی حنفی متوفی ۱۴۲۲ھ لکھتے ہیں: جبکہ بیچنے والے نے خریدار کے انکار کو مان لیا اور بیع کا فسخ منظور کرلیا تو بیعانہ کی رقم واپس کرنا اُس پر لازم ہے اگر نہیں واپس کرے گا تو سخت گناہگار حق العبد میں گرفتار ہوگا۔ [5]

لہٰذا مسجد انتظامیہ پر لازم ہے کہ وہ لی گئی رقم خریدار کو واپس کریں کہ اس کو ضَبط کرنا حرام ہے اور حرام مال مسجد میں صَرف کرنا نہایت قبیح ہے اور ایسے لوگ

---

[1] النهرالفائق شرح کنز الدقائق،کتاب الحدود،فصل فی التعزیر،تحت قوله:فصل فی التعزیر،۳/ ۱٦٥

[2] الفتاوی الهندِيّة،کتابُ الحدود،فصل فی التَّعزیر،۲/ ۱٦۷

[3] رَدُّ المحتار علی الدّر المختار،کتاب الحدود،باب التَّعزیر،مطلب:فی التعزیر بأخذ المال، تحتَ قوله:فیه... إلخ، ٦/ ۹۸

[4] فتاوی رضویہ،کتاب البیوع،۱۷/ ۹۴

[5] فتاویٰ فیض الرّسول،خرید وفروخت،۳/ ۱۹۸

مسجد کا انتظام سنبھالنے کے لائق نہیں ہیں، اہلِ محلّہ کو چاہئے کہ مسجد کا انتظام خُدا کا خوف رکھنے والے، حرام و حلال، جائز و ناجائز کے درمیان فرق کرنے والے دیندار لوگوں کے سپُرد کریں، مگر یہ کہ یہ لوگ اپنے اِس فعل سے توبہ کریں اور آئندہ مسجد کے مُعاملات میں خِلافِ شرع کام سے بچنے کا عہد کریں۔

واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۱٤ جمادی الأخری ۱٤۳۳ھ، ٥ مئی، ۲۰۱۲م JIA-1156

## مسجد کی دکان کے کرایہ کا حکم

الاستفتاء: کیافرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ جناب عالی عرض ہے کہ میں جامع مسجد مصطفیٰ کی انتظامی کمیٹی کا رُکن ہوں۔ ہماری مسجد کی ملکیت میں چار دکانیں ہیں، جن کے کرائے سے مسجد کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں، ہم نے ان دکانوں میں سے ایک دکان ایک شخص کو کرائے پر دی، کچھ ماہ کرایہ ادا کرنے کے بعد اُس شخص نے کرایہ دینا بند کر دیا اور اِس دوران اُس کرایہ دار نے تھوڑے عرصے کے لئے دکان بند رکھی اور کرائے کے لئے ٹال مٹول کرتا رہا مگر جب اُس کے اوپر کرائے کی مَد میں Rs.96,000/- اور بجلی کے بل کی مَد میں Rs.38,000/- ہوگئے، تو انتظامیہ کے نمائندوں نے اُس سے زبردستی دکان کا قبضہ حاصل کرلیا اور اب یہ دکان کسی اور کرائے دار کو دے دی ہے۔

اِن حالات کی روشنی میں آپ سے مندرجہ ذیل سوالات پوچھنے ہیں:

۱) مسجد انتظامیہ پر اُس شخص سے واجب الاداء کرایہ وصول کرنے کے سلسلے میں کیا ذمہ داری عائد ہے؟

۲) کیا مسجد انتظامیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اُس شخص کو مکمل کرایہ اور بجلی کا بل جو مسجد انتظامیہ نے ادا کیا وہ مکمل یا جزوی طور پر معاف کردے؟

۳) کرایہ اور بجلی کے بل کی مد میں واجبُ الاداء رقم معاف یا کم کردینے کے سلسلے میں کسی اور شخص کی اُس کرایہ دار کی حمایت میں مسجد انتظامیہ کے سامنے سفارش کرنا کیسا؟

۴) اگر کوئی شخص اپنا اثر ورسوخ استعمال کرکے یہ رقم دلوا سکتا ہو مگر وہ انکار کردے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

۵) ایسا کرایہ دار جو ایک مسجد کے پیسے باوُجود ادا کرنے کی طاقت کے، نہ دے رہا ہو اُس کو کسی اور مسجد کا مُتولّی یا ٹرسٹی بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا ایسا شخص کسی اور مسجد کے ٹرسٹ میں رکھ سکتے ہیں اور مالی معاملات اُس کے ذمّہ دے سکتے ہیں؟

(سائل: انتظامیہ کمیٹی، جامع مسجد مصطفیٰ، کراچی)

باسمه تعالیٰ و تقدس الجواب: مسجد انتظامیہ پر لازم ہے کہ کرایہ دار سے واجبُ الاداء کرایہ اور بجلی کے بل کی رقم وصول کریں اور یہ مسجد انتظامیہ کی نااہلی ہے کہ جب اُس کرایہ دار نے کرایہ دینا بند کیا تھا، تو مناسب مہلت دے کر اُس کی دوکان کو تالا لگا دیتے اور مزاحمت کی صُورت میں قانونی چارہ جوئی کرتے اور بجلی منقطع کردیتے تاکہ بجلی کا بل تو اتنا زیادہ نہ ہوتا۔ کیا انتظامیہ کے افراد میں کسی فرد کی

اپنی ذاتی دوکان یا مکان ہوتا تو یہ لوگ ایسی صُورت میں کرایہ دار کو اتنی ڈھیل دیتے؟ ہر گز نہیں دیتے، تو معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ اُن کی نااہلی اور سستی کی وجہ سے ہوا لہٰذا واجبُ الاداء رقم کی وُصولی بھی اب انہی کے ذمّہ لازم ہے۔

مسجد انتظامیہ کو ہرگز، ہرگز یہ حق نہیں کہ وہ مسجد کی دوکانوں کا کرایہ اور بجلی کا بل جسے وہ ادا کر چکے ہیں کُلّی یا جُزوی طور پر معاف کریں؛ کیونکہ کرایہ معاف کرنے کے لئے ملکیت ضروری ہے جبکہ یہ دوکانیں وقف ہیں اور وقف کا حکم یہ ہے کہ جب تام ہو جائے تو پھر اُس کا کوئی مالک نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ علّامہ علاؤالدین ابو بکر محمد بن احمد سمرقندی حنفی متوفی ۵۴۰ھ فرماتے ہیں: أجمع العلماء أنّ من وقف أرضه أو دَاره مَسْجِداً بِأن قالَ جعلتُ هذه الأرضَ مسجداً يُصلي فيه النَّاس أنه جَائز لأنّ هٰذا إبطال ملكه عَنه وَجعله لله تَعالى خالصاً۔[1]

یعنی، علماءِ کرام کا اِس پر اجماع ہے کہ جب کوئی شخص اپنی زمین یا گھر مسجد کے لیے وقف کر دے اِس طرح کہ اِس میں لوگ نماز پڑھیں تو یہ جائز ہے، اِس لئے کہ یہ اُس کا اپنی ملکیت کو باطل کرنا ہے اور اُس نے وہ (زمین یا گھر) اللہ کے لئے خاص کر دیا۔

اور علّامہ شمس الدین محمد بن عبد اللہ تمر تاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ لکھتے ہیں:

---

[1] تحفة الفقهاء، كتاب الوقف والصدقة، ۳/ ۳۷۶

فإذا تمّ ولزِم لا یُملک. ❶

یعنی، وقف جب تام ولازم ہو جائے تو اس کا کوئی مالک نہیں ہو سکتا۔

اِسی لئے وقف شُدہ چیز کو نہ تو اُدھار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اُسے گروی رکھا جاسکتا ہے۔

چنانچہ علامہ تُمرتاشی فرماتے ہیں: ولا یُعار ولا یُرھَن ❷

یعنی، نہ ہی عاریت پر دیا جاسکتا ہے اور نہ رہن رکھا جاسکتا ہے۔

کیونکہ یہ سب کام ملکیت کو چاہتے ہیں یعنی کوئی چیز اُدھار دینے یا اُسے گروی رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ چیز اُدھار دینے یا گروی رکھنے والے کی مِلک میں ہو حالانکہ وقف شُدہ چیز کسی کی مِلک نہیں ہو سکتی۔

چناں چہ مندرجہ بالا عبارت کے تحت علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: ولا یُملَّك أی لا یقبل التملیك لغیرہ بِالبیع ونحوِہ لاستحالة تملیكِ الخارج عن ملکه ولایُعار ولایُرھن لاقتضائِھما الملكَ. ❸

یعنی، اور مالک نہیں بنا سکتا یعنی بیع وغیرہ کے ذریعہ وقف شُدہ شے غیر کی تملیک تو قبول نہیں کرتی کیونکہ اپنی ملک سے خارج شے کا مالک بنانا محال

---

❶ تنویر الأبصار مع شرحه الدر المختار، کتاب الوقف، ص ۳۷۰

❷ تنویر الأبصار، کتاب الوقف، ص ۳۷۰

❸ ردالمحتار علی الدّرالمختار، کتاب الوقف، مطلب مهمّ: فرق أبو یوسف...إلخ، تحت قوله: لا یملك، ٦/ ٥٤٠

ہے اور اُسے عاریت پر بھی نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی رہن پر؛ کیونکہ یہ دونوں بھی ملکیت کا تقاضہ کرتی ہیں۔

اِس کے تحت علّامہ عبد القادر رافعی طرابلسی حنفی متوفی ۱۳۲۳ لکھتے ہیں: أيْ: ملك المنفَعة أوِ العَين. ❶

یعنی: عاریت و رہن کسی شے کے عین یا اس کی منفعت کی ملکیت کا رقاضا کرتے ہیں۔

اور علّامہ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں: ولَيس للمَوقوف عليه أن يوجر إلاّ بإنابة أو ولاية ولايعار ولَا يرهن. ❷

یعنی: موقوف علیہ کو اُجرت پر نہیں دیا جاسکتا مگر یہ کہ نیابت ہو یا ولایت ہو (تو دے سکتا ہے) اور اُسے عاریت پر نہیں دیا جاسکتا نہ ہی رہن پر۔

اور موقوفہ شے کا حال یہ ہے کہ نہ کوئی اُس کا مالک ہوسکتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کو اُس کے نفع یا عین کا مالک بنایا جاسکتا ہے، اُس کا نفع اُسی پر صَرف کیا جاسکتا ہے جس کے لئے وہ چیز وقف کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ دوکانیں مسجد کے لئے ہی وقف ہیں تو ان کا نفع مسجد پر ہی خرچ ہوگا نہ کہ اُس کا نفع اُس دوکاندار کو دیا جائے گا جو کرایہ وبل ادا کئے بغیر دوکان چھوڑ کر چلا گیا لہٰذا انتظامیہ کے کسی بھی فرد کو کرایہ معاف

---

❶ تقریرات الرّافعی علی ردّالمحتار، کتاب الوقف، مطلب مهم: فرق أبو یوسف...إلخ، تحت قوله: لا یملك، ٦/ ٥٤٠

❷ ملتقی الأبحر، کتاب الوقف، ١/ ٦٠١

کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

چنانچہ مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین قادری حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: مُتولّی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وقف شُدہ دوکان یا مکان کا کرایہ، کرایہ دار کو معاف کرے۔ (1)

ہاں اگر بجلی کا بل مسجد انتظامیہ کے ممبران میں سے کسی ممبر نے یا سب نے ملکر اپنی جیب سے ادا کیا ہے تو پھر اُنہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ کرایہ دار کو بل کی رقم کُلی یا جُزوی طور پر جس طرح بھی چاہیں معاف کر دیں۔

اور اگر بل مسجد کی دوکانوں کی آمدنی یا مسجد کے چندے سے ادا کیا گیا ہے تو پھر انتظامیہ کو بل کی رقم کسی طرح بھی معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے اور کرایہ دار کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ وقف کے مال کو اپنے پاس رکھے چاہے وہ مال کرایہ کی مد میں ہو یا بل کی مد میں اور چاہے انتظامیہ کی اجازت سے ہو یا بلا اجازت، کرایہ دار پر تمام واجبات کی ادائیگی لازم ہے۔

چنانچہ مفتی محمد وقار الدین لکھتے ہیں: کرایہ دار کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ وقف کے مال کو اپنے پاس رکھے اور کرایہ ادا نہ کرے۔ (2)

کرایہ دار واجبات ادا نہ کر کے گُناہ کا مرتکب ہوا اور اُس کی حمایت کرنے والے حمایت کر کے گنہگار ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىٕنِیْنَ

---

(1) وقار الفتاویٰ، کتاب المساجد، متعلقات مسجد، مسجد کی دوکان کا کرایہ معاف کرنا، ۲/۳۳۰

(2) وقار الفتاویٰ، کتاب المساجد، متعلقات مسجد، ۲/۳۳۰

خَصِیۡمًا ❶

ترجمہ: اور دغا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو۔ (کنز الایمان)

اور فرمایا: وَلَا تُجَادِلۡ عَنِ الَّذِیۡنَ یَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنۡ كَانَ خَوَّانًا اَثِیۡمًا ❷

ترجمہ: اُن کی طرف سے نہ جھگڑو جو اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے ہیں، بیشک اللہ نہیں چاہتا کسی بڑے دغا باز گنہگار کو۔ (کنز الایمان)

## سفارش کا شرعی حکم:

سفارش کی دو قسمیں ہیں ایک سفارش وہ ہے جو کسی اچھے کام کیلئے کی جائے اُس میں سفارش کرنے والے کیلئے ثواب ہے۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے: مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنۡ لَّهٗ نَصِیۡبٌ مِّنۡهَا ❸

ترجمہ: جو اچھی سفارش کرے اُس کیلئے اُس میں سے حصہ (یعنی اجر و جزا) ہے۔ (کنز الایمان)

اوراس کی تفسیر میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی ۱۴۳۶ھ لکھتے ہیں: فَالشّفاعة نوعَان: حسَنة وسيّئة، أمّا الشّفاعة الحسنَة: فهِي التي روعيَ بها حق

---

❶ النساء: ٤/ ١٠٥

❷ النسآء: ٤/ ١٠٧

❸ النسآء: ٤/ ٨٥

مسلم، ودفع بہَا عنه شرّ أو جلب إليه خَير وابتغي بها وجْه الله، ولم تؤخذ علَيها رشوة وكانت فِي أمر جائز، لَا فِي حدّ من حُدودِ الله ولَا في حقّ من الحقُوق. ❶

یعنی: شفاعت دوطرح کی ہے: اچھی، بُری۔ اچھی شفاعت وہ ہے جس سے کسی مسلمان کے حق کی رعایت کی جائے یا اُس سے شر کو دُور کیا جائے یا وہ خیر کو لائے اور وہ اُس سے اللہ کی رضا چاہتا ہو اور اُس پر رشوت نہ لے اور یہ شفاعت اَمر جائز میں ہوتی ہے نہ کہ اللہ عزّوجل کی حدود میں اور نہ ہی اُس کے حقوق میں۔

اِسی وجہ سے اچھی سفارش کو فرض کی ادائیگی کے بعد سب سے افضل عمل قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ فقیہ ابواللّیث نصر بن محمد بن احمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۳ھ لکھتے ہیں: اعلم أنّ أفضَل الأعمال بعدَ أداء الفرائض شفَاعة حسنة إذاكان لرجلٍ حاجة إلىٰ إنسان فتشفَع فى ذٰلك أوتشفع لدَفع مظلمة عنه. ❷

یعنی: ادائیگیٔ فرض کے بعد سب سے افضل عمل اچھی سفارش ہے، جب کہ کسی مرد کو دوسرے انسان سے کوئی حاجت ہو، تو تُو اُس حاجت میں اُس کی سفارش کرے یا اُس سے ظلم کو دُور کرنے کے لئے سفارش کرے۔

---

❶ التفسیر المنیر، سورۃ النور، تحت الآیۃ: ۸۵، ۵/ ۱۸۲

❷ بستان العارفین، الباب الثمانون فی الشفاعۃ، ۵۸

اور دوسری سفارش ہے بُرے کام کی، گُناہ کی، تو اُس میں سفارش کرنے والا گنہگار ہوتا ہے۔

چنانچہ اللہ عزّوجل کا فرمان ہے: وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا۔ ❶

ترجمہ: اور جو بُری سفارش کرے اُس کے لئے اُس میں سے حصّہ (یعنی عذاب وسزا) ہے۔ (کنزالایمان)

اِس آیت کی تفسیر میں حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں: هي خلافُ الشّفاعة الحسنة- ❷

یعنی: اور بُری سفارش، اچھی سفارش کے بر خلاف ہے۔

اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: والشّفاعة السيئة: ما كانت بخلاف ذلك. والشائع الآن الوساطات و الشّفاعات السيّئة المصحوبة بالمادة والرشاوى لتضييع الحقوق والاستيلاء على مال الغير. ❸

یعنی: بُری سفارش وہ ہے جو اِس کے بر خلاف ہو اور اب یہ عام ہے، کسی معاملہ اور رشوت میں واسطہ، وسیلہ بنتا تاکہ حقوق تنگ کئے جائیں اور دوسرے کے مال پر غلبہ حاصل کیا جائے۔

---

❶ النسآء: ٤/ ٨٥

❷ تفسیر النّسفی، سورۃ النساء، تحت الآیۃ: ٨٥، ١/ ٢٤٠

❸ التفسیر المنیر، سورۃ النور، تحت الآیۃ: ٨٥، ٥/ ١٨٣

اور صُورتِ مسئولہ میں مذکور شخص کی سفارش، بُری سفارش ہے جو کہ گناہ ہے لہٰذا اُسے چاہئے کہ وہ اپنے اِس گناہ سے توبہ کرے اور آئندہ ایسی سفارش نہ کرے۔

## تعاون کا شرعی حکم:

تعاون بھی دو قسم کا ہوتا ہے ایک نیکی پر باہم تعاون کرنا اُس میں تعاون کرنے والا اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے دوسرا گناہ و زیادتی پر تعاون کرنا اُس میں تعاون کرنے والا گنہگار ہوتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ [1]

ترجمہ: نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ و زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ (کنز الایمان)

اور صُورتِ مسئولہ میں مذکور شخص کا کرایہ دار کی حمایت کرنا اور سفارش کرنا گناہ میں تعاون کرنا ہے اور گناہ کرنے والا گناہ کرکے گنہگار ہوتا ہے اور تعاون کرنے والا تعاون کرکے اُس کے گناہ میں شریک ہوجاتا ہے لہٰذا یہ شخص اُس تعاون پر گنہگار ہوگا، اُسے چاہئے کہ وہ کرایہ دار پر ادائیگی کے لئے دباؤ ڈالے تاکہ نیکی پر تعاون کرنے والا ہوجائے اور اگر کرایہ دار ادائیگی نہیں کرسکتا تو اپنی جیب سے

---

[1] المآئدۃ: ۵/ ۲

ادائیگی کردے تاکہ اُس کا یہ فعل نیکی پر تعاون ہو اور وہ اجر و ثواب کا مستحق بنے۔

نیز ایسے شخص کو کسی بھی مسجد کا مُتولّی یا ٹرسٹی بنانا جائز نہیں اور مالی معاملات اُس کے سپرد کرنا اشد ممنوع ہے کیونکہ خائن سے ایمانداری کی توقع نہیں ہوتی۔

## مسجد کا متولی کیسا ہو؟

مسجد کا متولی اُسے بنانا چاہئے جو اللہ سے ڈرتا ہو خائن نہ ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ۔ (1)

ترجمہ: اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے ہیں نماز کو قائم کرتے زکوۃ دیتے ہیں اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ (کنز الایمان)

اور فرمایا: اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ (2)

ترجمہ: اُس کے اولیاء تو پرہیز گار ہی ہیں (کنز الایمان)

لہٰذا ایسے شخص کو کسی بھی مسجد کا مُتولّی یا ٹرسٹی ممبر وغیرہ نہ بنایا جائے اور اگر کہیں مُتولّی ہو تو اہلِ محلّہ پر لازم ہے کہ اُسے مسجد کے انتظامی و مالی معاملات سے علیحدہ کر دیں جب تک وہ واجبات ادا کر کے توبہ نہ کرلے پھر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب لوگ سمجھیں کہ اب اُس کے معاملات درست اور حالت اصلاح پر ہے تو ایسے معاملات اُس کے حوالے کیے جاسکتے ہیں۔

---

(1) التوبة: ٩/ ١٨

(2) الأنفال: ٨/ ٣٤

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الخمیس،١٩/ ذو القعدة، ١٤٢٣ھ - ٢٣/ جنوری، ٢٠٠٣م JIA-399

## باپ اور بیٹے کی کاروبار میں شراکت

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ بھائی نے قرضہ لے کر کام شروع کیا ہمارے والد کے گھر میں، ہمارے والد نے بھی ساتھ مل کر کام کیا، والد صاحب نے تقریباً چار سال کام کیا، لین دین بھائی کرتے تھے، والد کے انتقال کے بعد سب بھائی وقفے وقفے سے اُس میں شامل ہوتے رہے، سب بھائی برابر کے پارٹنر ہیں۔ از روئے شریعت والد کی وراثت ہے یا بھائی کی پراپرٹی؟ (سائل: C/O مولانا انیس برکاتی، کاغذی بازار، کراچی)

باسمه تعالیٰ وتقدس الجواب: آپ کے بھائی جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے والد کے ساتھ رہتے تھے پھر والد نے بھی ساتھ کام کیا تو جو کچھ بھی آپ کے بھائی نے کمایا وہ والد کا کہلائے گا؛ کیونکہ بیٹا جب اپنے باپ کے عیال میں رہتا ہے، تو وہ جو بھی کمائے باپ کی مِلک کہلاتی ہیں۔

چنانچہ علّامہ خیر الدین رملی حنفی متوفی ١٠٨١ھ [1]، علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ١٠٩٢ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت [2] اور علّامہ سید محمد امین ابنِ عابدین

---

[1] الفتاویٰ الخیریة علی هامش الفتاوی تنقیح الحامدیة، کتاب الدعوی، مطلب: فی رجل ساکن ببیت أبیه... إلخ، ٢/ ٩٣، تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الدعویٰ، ٢/ ١٧

[2] الفتاوی الهندیة، کتاب الشرکة، باب الرابع فی شرکة الوجوه و شرکة الاعمال، ٢/ ٣٢٩

شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ 1 "قنیۃ" 2 کے حوالے سے لکھتے ہیں: (سُئل) فی أخوَین لأب کلاهُما فی عیال الأب غرس أحدهما شجرة تین و هُو فی عیاله ثمّ مات الأب هَل هی للغارِس أم تکون میراثاً بینهما عن الأب (أجاب) تکونُ میراثاً عن الأب الّذی هو هِی عیاله إذ هی للأب و لَو غرسها الابنُ المذکور، قَال علمائنا فی الابن وَ الأب الذین یکتَسبان جمیع ما اکتسَبا للأب لأن الابن یعدّ معیناً لأبیه حَیث کان فی عیاله ألا تریٰ أنه إذا غَرس شجرة تکون للأب فیقسَم علیٰ فرائض الله تعالیٰ نِصفها للغارس و نصفُها لأبیه حیث لَا وارث له غیرهما وَالله أعلم. (واللفظ للرملی).

یعنی، دو باپ شریک بھائیوں کے بارے میں پوچھا گیا جو دونوں باپ کے عیال میں تھے، ان میں سے ایک نے انجیر کا درخت لگایا حالانکہ وہ اپنے باپ کے عیال میں تھا پھر باپ کا انتقال ہو گیا کیا یہ درخت لگانے والے کا ہو گا یا باپ کی میراث بن کر دونوں کا ہو گا، جواب دیا کہ یہ باپ کی میراث ہو گا کہ جس کے عیال میں تھا، کیونکہ اگر مذکور بیٹے نے لگایا ہے تو یہ باپ کا ہے۔ ہمارے علماء نے ایسے بیٹے اور باپ کے بارے میں فرمایا جو کمائیں کہ جو دونوں نے کمایا وہ سب باپ کا ہے کیونکہ بیٹا باپ کا مددگار شمار کیا جائے گا جب کہ وہ اپنے باپ کے عیال میں ہو گا۔ اس درخت کا نصف بونے والے کے لئے اور نصف دوسرے بھائی کے لئے جب کہ ان دو کے علاوہ کوئی

---

1 ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الشرکة، فصل فی الشرکة الفاسدة، مطلب: اجتمعا فی دار واحدة، ٤/ ٤٩٧

2 القنیة المنیة، کتاب الشرکة: باب مسائل المتفرقة، ص ٢٦٥، مخطوط

اور وارث نہیں ہے۔

اور علامہ محمد بن محمود نقشبندی حنفی کان حیاًفی سنۃ۱۱۰۵ھ لکھتے ہیں: أبٌ وابن یکتسِبان فی صُنعة واحدة ولم یَکن لهماشیء فالکَسب کلّه للأَب إذا کان الابنُ فی عیال الأبِ لکَونه معیناًله ألایریٰ أنه لوغرّس شجرة یکون للأبِ فکذافِی الزّوجین.❶

یعنی: باب اور بیٹا دونوں ایک ساتھ، ایک ہی کام کرتے ہوں، تو کمائی مکمل باپ کی ہو گی جب کہ بیٹا اُس کی پرورش میں ہو؛ کیونکہ وہ باپ کا مدد گار ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب باپ نے درخت لگایا تو وہ باپ ہی کا ہو گا اِسی طرح زوجین کا معاملہ ہے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ اُس بھائی نے جو کچھ بھی کمایا وہ باپ کی مِلک قرار پایا؛ کیونکہ یہ باپ کے عیال میں تھا اور شرعاً مالک باپ کہلایا اور یہ اُس کا مدد گار اور والد کے انتقال کے بعد بھی اِس کام میں تمام بھائی شریک رہے اِس لئے تمام کاروبار سب کے مابین مشترک ہے اور سب میں قرآن کریم کے بیان کردہ اُصولوں کے مطابق تقسیم ہو گا یعنی جس کی رقم جس تناسب سے ہے وہ اُتنے ہی فیصد کا مالک ہے۔

نوٹ: تفصیل کے لئے ہمارے فتویٰ JIA:1233 دیکھیں۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الثلثاء، ۹ رمضان المبارک ۱٤۳۵ھ، ۸ یولیو ۲۰۱٤م JIA-1227

## لے پالک بچے کی ولدیت، وصیت اور اُس سے پردے کا حکم

❶ فتاویٰ نقشبندیة، فصل فی مسایل الشرکة، ق/ ۱۷۸/ ب، مخطوط مصور

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ میرے ہاں 12 سال سے اولاد نہیں تھی میں نے ایک بچہ گود لیا ہے اور اس بچے کا کوئی نہیں ہے، یہ بچہ تین چار جگہوں سے ہو کر ہم تک آیا ہے، ہمیں اِس بچے کے والد کا نام نہیں معلوم اور نہ ہی اِس کے کسی بھی رشتہ دار کا نام معلوم ہے، ہم نے بہت معلوم کیا لیکن ہمیں کہیں سے بھی کچھ پتہ نہیں چلا اور ہم نے اِس بارے میں آپ کا فتویٰ بھی پڑھا ہے کہ جس میں لکھا ہے کہ کسی کے بیٹے کو اپنا نام دینا شرعاً منع ہے اور باپ کا نام معلُوم نہ ہونے کی صُورت میں حکم ہے کہ یہ تمہارے دین میں بھائی اور بَشَرِیت میں چچازاد ہیں مگر گورنمنٹ کے کاغذات میں ایسی کوئی گُنجائش نہیں ہے، وہاں بَہر صُورت بچے کے باپ کا نام لکھنا ہے اور وہ معلُوم نہیں ہے تو ایسی صورت میں اگر ہم صرف کاغذات میں بچے کے باپ کی جگہ اپنا نام لکھوا دیں اور لوگوں کو اور خود اُس بچے کو بڑے ہونے کے بعد اپنا حقیقی بچہ نہ بتائیں بلکہ لے پالک بتائیں تو ایسا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور آپ ہمیں یہ بھی بتائیں کہ جائیداد میں اِس کا حصہ کیسے مُقرر کریں، اگر ہمیں اِس کے لیے پہلے سے وَصیت کرنی ہے تو وہ بھی بتائیں اور جب یہ بچہ بڑا ہو گا تو ہم اِسے سب کچھ بتائیں گے اور بچہ بڑا ہو کر میرے ساتھ رہ سکے گا یا نہیں یا مجھے اُس سے پَردہ لازِم ہو گا کیونکہ وہ میری حقیقی اولاد نہیں ہے اور نہ ہی حُرمت کا کوئی رشتہ ہے؟ (سائلہ: نیلم خورشید، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدّس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں شریعتِ مطہرہ کا وہی حکم ہے جو ہمارے فتویٰ میں مذکور ہے لیکن اگر کاغذات میں باپ کا خانہ پُر کئے بغیر چارہ نہ ہو تو صرف کاغذات کی حد تک، اگر کوئی کاغذات پُر کرنے کے لئے کاغذات کے اِس خانے میں اپنا نام لکھ دیتا ہے جب کہ نہ بچے سے کہتا ہے کہ تو ہمارا

حقیقی بیٹا ہے اور نہ ہی لوگوں کو اُسے اپنا حقیقی بیٹا بتاتا ہے تو اِس میں دوسری کوئی نا جائز صُورت نہ ہونے کی وجہ سے کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔

اور لے پالک کا پالنے والے کی جائیداد میں کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ وہ اُس کا وارث نہیں ہے۔

چنانچہ امام شمس الدین ابو بکر محمد بن ابو سہل سرخسی حنفی متوفی ۴۸۷ھ فرماتے ہیں: الاَسبابُ التی بھَا یتوارثُ ثلاثۃ: الرّحمُ والنِکاح والولاءُ. ❶

یعنی، وہ اسباب کہ جن کے ذریعے سے وارث بنایا جاتا ہے تین ہیں، نسبی رشتہ، نکاح، اور وِلا۔

اور علّامہ ابراہیم بن محمد حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں: و یُستحقُ الاِرثُ بِنسبٍ ونکاحٍ ووِلاءٍ. ❷

یعنی، وراثت کا استحقاق نسب سے ہوتا ہے اور نکاح سے یا وِلا سے۔

اور علامہ شیخ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے: و یستحقُ الاِرثُ باِحدیٰ خصالٍ ثلاثٍ بالنسبِ وھو القرابۃ والسببِ وھو الزّوجیّۃ والولاءِ. ❸

یعنی، تین میں سے کسی ایک وصف کی صُورت میں وراثت کا استحقاق

---

❶ المبسوط للسرخسی، کتاب الفرائض، ۱۵/ ۲۹/ ۱۱۹

❷ ملتقی الأبحر، کتاب الفرائض، ص۶۹۹

❸ الفتاویٰ الھندیّۃ، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفھا وفیمایتعلّق بالترکۃ، ۶/ ۴۴۷

ہو گا، نسب سے کہ یہ قریبی رشتہ داری ہے یا سبب سے یہ نکاح کرنا ہے یا ولا سے۔

اور مذکورہ صُورت میں تینوں اسباب میں سے کوئی بھی نہیں پایا جا رہا لیکن اگر اِن کے مابین کوئی ایسا رشتہ نہ پایا جاتا ہو جس کی وجہ سے لے پالک پالنے والے کا وارث بنتا ہو، تو ایسی صُورت میں اُس کے لئے ایک تہائی جائیداد تک وصیت جائز ہو گی۔

چنانچہ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت مُصعب بن سعد سے وہ

اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کرتے ہیں: عَادَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: أُوصِي بِمَالِي كُلِّهِ؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: فَالنِّصْفُ؟ قَالَ: لَا، فَقُلْتُ: أَبِالثُّلُثِ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ. [1]

یعنی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے تو میں نے عرض کی کہ کیا میں اپنے تمام مال کی وصیت کر دوں؟ فرمایا: نہیں، عرض کی: تو آدھے مال کی کر دوں؟ فرمایا: نہیں، عرض کی: پھر تہائی مال کی کر دوں؟ فرمایا: ہاں! اور تہائی بھی بہت ہے۔

اِسی حدیث کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فُقہائے کرام نے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ

[1] صحیح مسلم، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث، برقم الحدیث: ۱۶۲۸، ۳/ ۱۲۵۲

تہائی مال سے زیادہ کی وصیّت جائز نہیں ہے۔

چنانچہ امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوری حنفی متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں: وَلَا یجوزُ بما زادَ علی الثلثِ. ❶

یعنی: تہائی مال سے زائد میں وصیت جائز نہیں ہے۔

اور علّامہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں: وتصحُّ بالثُّلثِ للأجنَبِیّ وان لَم یُجیزُوا. ❷

یعنی: اجنبی کے لئے تہائی مال میں وصیت صحیح ہے اگرچہ ورثہ اجازت نہ دیں۔

اور جہاں تک بچہ کے بلوغ کے بعد پالنے والی عورت اور پردہ کے حکم کا تعلق ہے تو وہ لازم ہوگا کیونکہ پالنے والی اور اِس کے درمیان حُرمت کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔

چنانچہ اِرشاد باری تعالیٰ ہے: وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ ❸

ترجمہ: اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ظاہر ہے۔ (کنز الایمان)

اِس آیتِ مبارکہ کی تفسیر کے تحت علّامہ علاؤالدین علی بن احمد خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ فرماتے ہیں: فَلَا یَجوزُ لِلمرأۃِ اِظهارُها ولَا یَجوزُ

---

❶ مختصر القدروی، کتاب الوصایا، ص ۲٤۲

❷ ملتقی الأبحر، کتاب الوصایا، ص ٦٧٦

❸ سورۃ النور: ۲۱/ ۲٤

لِلأجنبيِّ النَّظرُ إليهَا. ❶

یعنی: عورت کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے زینت کے مقام کو ظاہر کرے اور نہ اجنبی کیلئے اُس کی طرف نظر کرنا جائز ہے۔

اور شیخ احمد ملا جیون حنفی متوفی ۱۱۳۰ھ اِسی آیت کے تحت لکھتے ہیں: فَاِنَّ كُلَّ بدنِ الحُرَّةِ عورةٌ لَا يَحلُّ لِغيرِ الزَّوجِ وَالْمَحرَمِ اَلنَّظرُ اِلٰى شَيءٍ مِّنهَا. ❷

یعنی، آزاد عورت کا تمام بدن ستر ہے اور شوہر اور مَحرم کے علاوہ کسی بھی شخص کا اُس کی طرف نظر کرنا جائز نہیں ہے۔

اِسی وجہ سے عُلمائے کرام نے فرمایا کہ عورت کے بدن کو اجنبی کے لئے دیکھنا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ علّامہ برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ فرماتے ہیں: ولَا يجوز أن ينظر إلى الأجنبية إلَّا إلى وَجهها وكفيهَا. ❸

یعنی، مرد کا اجنبی عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا کسی عضو کی طرف نظر کرنا جائز نہیں ہے۔

اِس کا حل یہ ہے کہ پالنے والی عورت بچے کی عمر دو سال ہونے سے پہلے پہلے خود اپنا دودھ پلادے اِس کے بعد دودھ پلانا اگرچہ حرام ہے لیکن ڈھائی سال

---

❶ تفسير الخازن، سورة النور، تحت الآية: ٣،٢٤/ ٢٩٢

❷ التفسيرات الأحمدية، سورة النّور، تحت قوله تعالىٰ: وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ ...إلخ، ص ٥٦٢

❸ الهداية شرح بداية المبتدي، كتاب الكراهية، فصل في الوطء والنظر واللّمس، ٢/ ٣٩٦

تک بھی پلادیا، تو رضاعت ثابت ہو جائے گی اور وہ عورت اُس کی دودھ کے رشتہ سے ماں بن جائے گی۔

چنانچہ قرآنِ پاک میں فرمان باری تعالیٰ ہے: وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا [1]

ترجمہ: اور اُسے اٹھائے رکھنا اور اُس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے میں ہے۔ (کنز الایمان)

یہی امامِ اعظم کا مؤقف ہے۔

چنانچہ علّامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ فرماتے ہیں: قال أبو حنيفة: ثلاثون شهراً و لا يحرم بعدَ ذلك. [2]

یعنی، امامِ اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مدتِ رضاعت تیس مہینے ہے اِس کے بعد حُرمت ثابت نہیں ہو گی۔

اور علّامہ برہان الدین مرغینانی فرماتے ہیں: مُدة الرَّضَاعِ ثَلاثون شهراً عند أبي حنيفة. [3]

یعنی، امامِ اعظم کے نزدیک مدتِ رضاع تیس ماہ ہے۔

اور صدرالشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ فرماتے ہیں

[1] سورۃ الأحقاف: ۴٦/ ۱۵

[2] بدائع الصنائع، کتاب الرّضاع، فصل فی صفۃ الرضاع المحرم، ۵/ ۷٦

[3] الھدایۃ شرح بدایہ المبتدی، کتاب الرضاع، ۱/ ۲۵۷

:نکاح حرام ہونے کے لئے ڈھائی برس کا زمانہ ہے یعنی دو برس کے بعد اگرچہ دودھ پلانا حرام ہے مگر ڈھائی برس کے اندر اگر دودھ پلادے گی حُرمتِ نکاح ثابت ہو جائے گی اور اِس کے بعد پیا ہو تو حُرمتِ نکاح نہیں۔ (1)

لہذا دودھ پلانے والی اُس کی رِضاعی ماں بن جائے گی۔

چنانچہ امام علاؤالدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں: إِنَّ المُرضعة تحرم على المرضَع لأنّها صارت أمٌّ له بالرضاعِ (2)

یعنی، دودھ پلانے والی عورت دودھ پینے والے پر حرام ہے کیونکہ وہ اُسکی رضاعی ماں بن جاتی ہے۔

اور اگر عورت کا دودھ نہ آتا ہو، تو اپنی بہن یا بھتیجی وغیرہ کا دودھ پلوا دے تاکہ حُرمت کا رشتہ قائم ہو جائے پھر پردے کی حاجت نہیں رہے گی۔

جیسا کہ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۹۷ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ (3)

یعنی، رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے

---

(1) بہارِ شریعت، ۳۶/۲

(2) بدائع الصنائع، کتاب الرضاع، فصل فی محرمات، ٥/ ٦٤

(3) سُنَن الترمذی، کتاب الرضاع، باب: ماجاء یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب، رقم الحدیث، ١١٤٦، ٢/ ٢١٤

رضاعت کے سبب وہ رشتے حرام کیے ہیں جو نسب کے سبب حرام کیے ہیں۔

یہی حکم فُقہائے کرام نے بھی بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ علّامہ سید محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں: رضاعٌ، فَیحرم به ما یحرمُ مِن النّسب. [1]

یعنی، رضاعت کہ اِس کے سبب وہ رشتے بھی حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کے سبب حرام ہوتے ہیں۔

والله تعالى أعلم بالصواب

یوم السبت، ۲۵ جمادی الثانی ۱٤۲۹ھ، ۳۱ مئی ۲۰۰۸م JIA-899

## ہبہ میں مرد و عورت حصّہ میں برابر ہیں

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ میرے پاس اپنی کچھ ذاتی نقد رقم ہے اور میری یہ خواہش ہے کہ اِس رقم کو میں اپنے بیٹے اور تین بیٹیوں میں تقسیم کر دوں اور اپنے ذاتی استعمال کے لئے بھی کچھ رکھنا چاہتی ہوں۔ برائے کرم شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں تقسیمِ رقم کے متعلّق میری رہنمائی فرمائیں۔ (سائلہ: شیرین زوجہ عبد القادر، رنچھوڑ لائن، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدّس الجواب: زندگی میں جو مال کی تقسیم ہوتی ہے اُسے ''ہبہ'' اور ''عطیہ'' کہا جاتا ہے اور مَرنے کے بعد جو مال کی تقسیم ہوتی ہے اُسے

[1] ردّالمحتار على الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، تحت قوله: رضاع، ۱۰۷/٤

''ترکہ'' اور ''وراثت'' کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص زندگی میں اپنی اولاد میں مال تقسیم کرنا چاہے، تو اُسے چاہیے کہ اپنی تمام اولاد چاہے لڑکا ہو یا لڑکی اُسے برابر، برابر دے۔

چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ 1، امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ 2 اور امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ 3 اپنی اپنی سند سے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: أَنَّ أَبَاهُ أَتَى بِهِ إِلَى رَسُولِ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هَذَا غُلاَمًافَقَالَ أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهُ قَالَ لاَ قَالَ فَارْجِعْهُ. (واللفظ للبخاری)

یعنی: (حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) کہ اُن کے والد اُنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے اِس بیٹے کو تحفہ کے طور پر ایک غلام دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے اپنے سارے بچوں کو ایسا ہی غلام دیا ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ پھر واپس لوٹ جاؤ۔

ایک مقام پر امام بخاری روایت کرتے ہیں: قال رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ

---

1 صحیح البخاری، کتاب الهبة، باب الهبة للولد...إلخ، برقم الحديث:٢٥٨٦، ٢/ ١٥٢

2 صحیح مسلم، کتاب الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد...إلخ، برقم الحديث:١٦٢٣، ٣/ ١٢٤١

3 سُنن الترمذی، کتاب الأحكام، باب ماجاء فی النحل... إلخ، برقم الحديث:١٣٦٧، ٢/ ٣٥٤

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ أَشْهَدُ عَلَى جَوْرٍ. ❶

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ظلم کی بات پر گواہ نہیں بنتا۔

اِسی لئے فُقہاءِ کرام نے لکھا کہ اگر کسی نے اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو مال وغیرہ دینا ہو تو وہ برابر، برابر دے، کمی و زیادتی نہ کرے، ہاں اگر کسی اولاد کو دینی فضیلت کی وجہ سے زیادہ دیتا ہے، تو یہ جائز ہے، اِس میں کوئی حرج نہیں۔

چنانچہ علّامہ فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۳ھ لکھتے ہیں: وعَلى الْأب أنْ يعدلَ بينَ أوْلادِهِ فِي الهِبة حَتى لَو وهَب لِأحدِ أولادِهِ دُونَ الآخرِ يُكره لما رُوى عَن النَّبي صلى الله عليه وسلم قال ذٰلكَ الرَّجل الَّذى وهَب لِأحدِ وَلدَيه دُونَ الآخر لَاأشْهدُ عَلَى الْجَوْرِ لِأنه يُؤدّى إلَى العَداوةِ و البَغضاء وقَطعيَّة الرَحِم. ❷

یعنی: باپ پر لازم ہے کہ وہ اپنی اولاد کے درمیان ہبہ (تحفہ دینے) میں برابری کرے، یہاں تک کہ اگر باپ نے اپنی ایک اولاد کو تحفہ دیا اور دوسری کو نہیں دیا تو یہ مکروہ ہے؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص سے جس نے اپنی ایک اولاد کو ہبہ کیا اور دوسرے کو نہ کیا، فرمایا کہ "میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا" اِس لئے کہ یہ چیز دشمنی، بغض اور قطع رحمی پیدا کرتی ہے۔

---

❶ صحیح البخاری، کتاب الشهادات، باب لا يشهد على شهادة جور...إلخ، برقم الحديث: ٢٦٥٠، ٢/ ١٧٠

❷ فتاوىٰ النوازل، کتاب الهبة، ص ٢٤٧

اور برابری سے مراد ہے کہ جتنا بیٹے کو دے اتنا ہی بیٹی کو دے یہی مختار ہے اور اِسی پر فتویٰ ہے۔

چنانچہ علّامہ افتخار الدین طاہر بن عبد الرشید بخاری حنفی متوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں:رَجلٌ لَه ابن وَ بنت أرَاد أنْ يهِب لهُما شيئاً فَالأفضَل...عِنْد أبِي يُوسف رَحمه الله بينَهما سَواء هُو المُختار.❶

یعنی: کسی شخص کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو اور وہ اُن دونوں کو کچھ ہبہ کرنا چاہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک افضل یہ ہے کہ اُن دونوں کے درمیان برابری کی جائے، یہی مختار مذہب ہے۔

اور علّامہ زین الدین بن ابراہیم ابنِ نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ❷ بھی "خُلاصَة الفتاویٰ"❸ کے حوالے سے لکھتے ہیں:وَفی "الخُلاصة"المُختار التّسو ية بَين الذّكر وَالأنثیٰ فِی الهبة.

یعنی: اور "خلاصہ" میں ہے، مختار یہ ہے کہ اولاد کو ہبہ (تحفہ دینے) میں مرد و عورت کے درمیان برابری کی جائے۔

اِسی طرح دینی فضیلت کی وجہ سے کسی اولاد کو زیادہ دینے کی وضاحت

---

❶ خلاصة الفتاویٰ،كتاب الهبة،الفصل الأوّل،الجنس الثانی فی هبة الدين،نوع منه، ٤٠٠/٤

❷ البحر الرائق شرح كنز الدقائق،كتاب الهبة، تحت قوله:وهبة الأب لطفله ...إلخ، ٤٩٠/٧

❸ خُلاصَة الفتاویٰ،كتاب الهبة،الفصل الأوّل،الجنس الثانی فی هبة الدين،نوع منه، ٤٠٠/٤

کرتے ہوئے علامہ سمرقندی لکھتے ہیں: أن يكُون أحَد أولاده طالبَ العِلْم فَلا بأسَ بأن يُفضِّل على غيرِه. ❶

یعنی: اُس کی اولاد میں سے کوئی ایک طالب علمِ دین ہو تو اُسے دوسروں پر ترجیح دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور علامہ حسن بن منصور اوزجندی متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں: أنه لَا بأس بِه إذَا كانَ التفضِيل لِزيادَة فَضل له فِي الدِّين. ❷

یعنی: جب کسی اولاد کو دینی فضیلت کے حاصل ہونے کی وجہ سے (ہبہ میں) زیادتی ہو، تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اِسی طرح علامہ کامل بن مصطفیٰ حنفی متوفی لکھتے ہیں: إذَا كانَ أحدهُم مشتغلاً بالعلم لَا بِالكَسب لَا بأسَ أن يفضله على غَيره. ❸

یعنی: جب کوئی ایک اولاد علمِ دین میں مشغول ہو نہ کہ کمانے میں، تو اُسے دوسروں پر ترجیح دینے میں کوئی حرج نہیں۔

نوٹ: مزید معلومات کے لئے ہمارا رسالہ "اولاد کو زندگی میں ہبہ کرنے کا طریقہ" کا مطالعہ فرمائیں۔

واللہ تعالی أعلم بالصواب

الثلثاء، ۸ ربیع الثانی ۱٤۲۵ھ۔ ۱۷ مئی ۲۰۰۵م JIA-578

---

❶ فتاویٰ النوازل، کتاب الهبة، ص ۲٤۸

❷ فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاویٰ الهندية، كتاب الهبة، فصل فى هبة الوالد لولده، ۳/ ۲۷۹

❸ الفتاویٰ الكاملية، كتاب الهبة، ص ۱۸٤

# عورت کا ساس کی خدمت کرنا

الاستفتاء: کیافرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ میری شادی ہوگئی ہے میری والدہ میرے ساتھ رہتی ہیں، کیامیری بیوی کا فرض نہیں کہ وہ میری ماں کی خدمت کرے؟ مجھے تو معلوم ہے کہ میرا فرض ہے کہ میں اپنی ماں کی خدمت کروں۔ (سائل: سلیم آدم، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدّس الجواب: ماں کی خدمت اولاد پر لازم ہے۔

چناں چہ قرآن کریم میں ہے: وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا. (1)

ترجمہ: اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔ (کنزالایمان)

اور مفتیِ اعظم پاکستان مفتی وقار الدین حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: حقوقِ والدین کے متعلق یہ ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ اولاد، دن رات والدین کی خدمت کرے، تب بھی اُن کے حقوق ادا نہیں کرسکتی، قرآن وحدیث میں حقوقِ والدین کی سخت تاکید آئی ہے، لہٰذا اِس میں کوتاہی کرنا کسی طور جائز نہیں ہے، اگرچہ اُس کی نظر میں وہ ظلم بھی کرتے ہوں، تب بھی اُن کے حقوق ادا کرے گا، اُن کی خدمت کرے گا، اُن سے تعلّقات قائم رکھے گا، کبھی تُرش روئی سے اُن سے پیش نہیں آئے گا۔ (2)

اور بیوی پر اگرچہ شوہر کی والدہ کی خدمت لازم نہیں ہے مگر وہ اپنے شوہر کو خوش رکھنے کی پابند ہے اور شوہر کی خوشی اِسی میں ہے کہ اُس کی بیوی اُس کی والدہ

---

(1) البقرۃ: ۲/ ۸۳

(2) وقار الفتاویٰ، کتاب الحقوق، حقوق العباد، ۳/ ۲۲۷

کی خدمت کرے۔

چنانچہ مفتیِ اعظم پاکستان مفتی وقار الدین لکھتے ہیں: بیوی اپنے شوہر کے والدین کو خوش رکھنے کی پابند ہے اور اگر وہ عمر رسیدہ ہیں اور اگر اُن کو بدنی خدمت کی ضرورت ہے کوئی دوسرا یہ خدمت کرنے والا نہیں ہے، تو اُس کے لیے یہ باعثِ سعادت ہے کہ وہ اُن کی خدمت کر کے ثواب حاصل کرے۔ (1)

کیونکہ احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں شوہر کی رضا کو بہت اہم قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَ زَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ، دَخَلَتِ الْجَنَّةَ. (2)

یعنی: جو عورت اس حال میں فوت ہوئی کہ اس کا شوہر اُس سے راضی ہو تو وہ عورت جنت میں داخل ہو گی۔

اور شوہر کی رضا اُس کی اطاعت و فرمانبرداری سے حاصل ہو سکتی ہے نہ کہ نافرمانی سے۔

چنانچہ علامہ امیر علاء الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ اپنی سند سے

---

(1) وقار الفتاویٰ، کتاب الحقوق، حقوق العباد کا بیان، ۳/۲۲۸

(2) سُنَن الترمذی، کتاب الرّضاع، باب ما جاء فی حق الزّوج علی المرأۃ، برقم: ۱۱۶۱، ۲/ ۲۲۳

روایت کرتے ہیں:قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:"إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا،وَصَامَتْ شَهْرَهَا،وَحَصَّنَتْ فَرْجَهَا،وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا، دَخَلَتْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ" (1)

یعنی، عورت جب پانچوں نمازیں ادا کرے اور رمضان شریف کے روزے رکھے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔

اور کسی شخص کا حق جتنا بڑا ہو گا اُس کی رضا اسی قدر اہم ہو گی،

چنانچہ امام ترمذی اپنی سند سے روایت کرتے ہیں:عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا." (2)

یعنی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ (اللہ تعالیٰ کے سوا) کسی کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

اور ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم متوفی ۴۰۵ھ اپنی سند سے روایت کرتے

---

(1) الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان،كتاب النكاح،باب معاشرة الزوجين،ذكر إيجاب الجنة للمرأة إذا أطاعت زوجها مع إقامة الفرائض لله جلّ و عَلا،برقم:٤١٥١، ٦/ ١٨٤

(2) سُنَن الترمذي،أبواب الرضاع،باب ما جاء في حق الزوج على المرأة،برقم:١١٥٩، ٢/ ٢٢٣

ہیں:عَنْ عائشۃَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ یا رَسُوْلَ اللہِ ﷺ أیُّ النَّاسِ أَعْظَمُ حَقّاً عَلَی الْمَرْأَۃِ؟ قَالَ: "زَوْجُھَا". 1

یعنی، حضرتِ سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کی کہ عورت پر لوگوں میں سے سب سے بڑا حق کس کا ہے؟تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"اُس کے شوہر کا"۔

اور امام حاکم اپنی سند سے حضرت حُصَین بن محصن سے اوروہ اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں:"قَالَتْ: أَتَیْتُ النَّبِيَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ الْحَاجَۃِ قَالَ:فَإِنَّمَا ھُوَجَنَّتُكِ وَ نَارُكِ. 2

یعنی، حضرتِ حُصَین بن مُحصن کی پھوپھی کہتی ہے کہ میں کسی حاجت کے سبب حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:وہ(یعنی تیرا شوہر) تیری جنت اور تیری دوزخ ہے۔

اِس سے مراد شوہر کی رضا اور اُس کی ناراضگی ہے اور اِن احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ عورت کو اپنے شوہر کو خوش رکھنا چاہئے کیونکہ شوہر کی رضا اُس کی جنت میں جانے کا سبب اور ناراضگی دوزخ میں جانے کا سبب ہے اِس لئے وہ شوہر کی رضاجوئی کرتی رہے اور اُس کی ناراضگی سے بچے۔

پھر شریعتِ مطہرہ نے عورت کے لئے شوہر کے ذمہ جو حُقوق رکھے ہیں وہ

---

1 المستدرك علی الصحیحین، کتاب البر والصلۃ،رقم الحدیث:۷۴۰۲، ۵/ ۷۸

2 المستدرك علی الصحیحین، کتاب البرّ والصلۃ،رقم الحدیث:۲۸۱۸، ۲/ ۳۵۸

چند ہیں جیسے نان نفقہ، لباس، رہائش، اِن کے علاوہ شوہر کے ذمّہ کچھ لازم نہیں ہے۔ جب ہم مشاہدہ کرتے ہیں، تو شوہر اِن کے علاوہ بھی بہت سے اخراجات اٹھاتا ہے اور بیوی کے لئے اور بھی بہت سے کام سَرانجام دیتا ہے، وہ سب کے سب شوہر کی طرف سے احسان کے زُمرے میں آتے ہیں۔ اِسی طرح عورت پر شوہر کے حقوق بھی زیادہ نہیں، اُن کے علاوہ عورت اپنے شوہر کے لئے جو کچھ کرتی ہے وہ بھی اُس کی جانب سے احسان ہے اور احسان دونوں جانب سے ہو تو یہ رشتہ برقرار رہتا ہے اور اگر صرف ایک جانب سے ہو، دوسری جانب سے نہ ہو، تو یہ رشتہ زیادہ عرصہ برقرار نہیں رہتا، اِس لئے شوہر پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے والدین کی خدمت کے لئے مجبور نہ کرے کہ اُس پر لازم نہیں مگر عورت کو چاہئے کہ وہ اپنے ساس و سُسر کی خدمت کرے کہ اِس میں اُس کے شوہر کی خوشنودی ہے اور عظیم اَجر بھی۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الإثنین، ١٧ رجب المرجب ١٤٣٧ھ، ٢٦ إبریل ٢٠١٦م JIA-1258

## عورت کا بلا اجازت شوہر رشتہ داروں کے ہاں ٹھہرنا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کِن کِن رشتہ داروں کے ہاں جا سکتی ہے اور کتنے عرصے کے لئے؟ نیز اجازت سے کن کن کے ہاں اور کتنے عرصے کے لئے جا سکتی ہے؟ اور کن کن رشتہ داروں کے ہاں اجازت و بلا اجازت نہیں جا سکتی؟ بیّنوا و توجروا۔

(سائل: علی محمد کچھی محمدی کالونی، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدّس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں عورت کے وہ رشتہ دار جن کے ہاں وہ بلا اجازتِ شوہر جاسکتی ہے، اُن کی دو قسمیں ہیں ایک ماں باپ کے گھر اور دوسری قسم دیگر مَحارم (یعنی جن کے ساتھ اُس کا نکاح ابداً حرام ہے) کے گھر اور پھر والدین کے ہاں ہر آٹھویں دن صبح سے شام تک اور بقیہ مَحارم کے ہاں سال بھر کے بعد دن بھر کے لئے جاسکتی ہے۔

چنانچہ علّامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابنِ ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں: أمّا ما لا تمنَع من زيارة الأبوَين في كُل جمعة وفِي زيارة غيرهما مِن المحارم في كل سَنة.وكَذا إذا أرَاد أبوها أو قريبها أنْ يجيء إليها علىٰ هذَا الجُمعة والسنة انتهى. (1)

یعنی: عورت کو ہر جمعہ والدین کی ملاقات سے منع نہیں کیا جاسکتا اور والدین کے علاوہ محارم سے ہر سال ملاقات کرسکتی ہے اِسی طرح اگر والدین یا قریبی رشتہ دار، عورت سے ملنا چاہیں تو وہ بھی اُس کے پاس جمعہ اور سال میں آسکتے ہیں۔

اور امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: عورت آٹھویں دن صبح سے شام تک کے لئے بلا اجازت شوہر جاسکتی ہے اور اپنے مَحارم مثلاً حقیقی یا سوتیلے بہن، بھائی، بھتیجے، بھتیجی، بھانجے، بھانجی، چچا، ماموں، پھُپھی، خالہ، نانا، دادا کے یہاں ہر سال بھر بعد دن بھر کے لئے، رات کو بہر حال شوہر کے یہاں آنا

(1) فتح القدير، كتاب الطلاق، باب النفقة، فصل على الزوج أن يسكنها في دار مفردة...إلخ، تحت قوله: وقيل لايمنعهامن الخروج إلى الوالدين....إلخ، ٤/ ٢٠٧، ٢٠٨

ہوگا یہ بلا اجازت ہے۔ (1)

اور شوہر کی اجازت سے بھی اُنہیں رشتہ داروں کے ہاں جاسکتی ہے اور اس صُورت میں جانے اور ٹھہرنے کی حد شوہر کی اجازت پر موقوف ہے چاہے جتنے دنوں کی اجازت دے۔

چنانچہ امامِ اہلسنّت لکھتے ہیں: شوہر کی اجازت سے اُنہیں لوگوں کے ہاں مہینہ بھر یا زائد جتنے دنوں کی وہ اجازت دے رہ سکتی ہے۔ (2)

اور غیر محارم کے ہاں اجازت و بلا اجازت ہر دو صُورت میں نہیں جاسکتی۔

چنانچہ امامِ اہلسنّت لکھتے ہیں: لیکن غیر محارم مثلاً چچا، ماموں، خالہ، پھُپھی کے بیٹوں، بیٹیوں یا جیٹھ، دیور، بہنوئی وغیرہم یا اجنبی کے ہاں شوہر کی اجازت سے بھی نہیں جاسکتی اگر شوہر اجازت دے گا تو وہ بھی گنہگار ہوگا۔ (3)

اور اگر عورت کا باپ اپاہج ہو اور کوئی خدمت گار موجود نہ ہو تو بغیر اجازت کے باپ کی خدمت کے لئے جاسکتی ہے۔

چنانچہ فقیہ ابو اللّیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۳ھ (4) پھر امام برہان الدین ابو المعالی محمود بن صدر الشریعہ ابنِ مازہ بخاری حنفی متوفی ۶۱۶ھ (5) پھر

---

(1) فتاویٰ رضویہ، کتاب الطلاق، باب النفقہ، ۱۳/ ۴۷۸

(2) فتاویٰ رضویہ، کتاب الطلاق، باب النفقہ، ۱۳/ ۴۷۸

(3) فتاویٰ رضویہ، کتاب الطلاق، باب النفقہ، ۱۳/ ۴۷۸

(4) مجموع النوازل، باب النفقات والسکنیٰ، ق ۸۳/ ب، مخطوط مصوّر

(5) المحیط البرھانی، کتاب النکاح، الفصل الثانی و العشرون، ٤/ ٢٣٦

علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت (1) نے لکھا ہے: وسُئل محمّدبن مقاتل عن امرَأة لهاأب زمِن وليس له من يقوم علَيه ويكفيه ومنعَهاالزوج من تعَاهده قال يجوزلهاأنْ تعصى زَوجهاو تطيع آباهاوَ هو فرض عليهَا. (واللّفظ للسمرقندی)

یعنی: محمد بن مقاتل سے ایسی عورت کے بارے میں سُوال ہوا کہ جس کا باپ اپاہج ہو اور کوئی اُس کی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو اور شوہر اُس عورت کو باپ کی دیکھ بھال سے منع کرے، تو فرمایا کہ اُس عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ شوہر کی نافرمانی کرے اور اپنے والد کی اطاعت کرے یہ اُس پر فرض ہے۔

اِسی طرح صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: عورت کا باپ اپاہج ہو اور اُس کا کوئی نگران نہیں تو عورت اُس کی خدمت کے لیے جاسکتی ہے اگرچہ شوہر منع کرتا ہو۔ (2)

اور علّامہ نظام الدین اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے: فإِنْ وقعت لهَانازلةوزوجهَاعالم بِهاأو جاهل لكنّه يسأل عالمًالاتخرج وإلّافلهاأن تخرِج. (3)

یعنی: عورت کو مسئلہ پوچھنے کی ضرورت ہو تو اگر شوہر عالم ہو تو اس سے پوچھ

---

(1) الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، باب في القسم، ۱/ ۳۴۱

(2) بہارِ شریعت، کتاب النکاح، باری مقرر کرنے کا بیان، ۲/ ۹۹

(3) الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، باب في القسم، ۱/ ۳۴۱

لے اور عالم نہیں تو لیکن عالم سے پوچھ سکتا ہے، تو اِن صورتوں میں خود اُسے عالم کے پاس جانے کی اجازت نہیں اور یہ صُور تیں نہ ہوں تو جا سکتی ہے۔ ❶

اور اگر کسی عورت کا شوہر نہ ہو تو بیٹا عورت کو باہر نکلنے سے روک نہیں سکتا لیکن اگر برائی کے لئے عورت نکلے تو بچہ قاضی کی اجازت سے روکے گا۔

چنانچہ علامہ نظام الدین اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے: رجل له أمّ شَابّة تخرج إلیٰ الولیمة و المصیبَة و لیس لھازوج لایمنعھَا ابنھامَالم یتحقّق عنده أنھَاتخرج لفساد فحینئذٍ یرفع الأمرإلیٰ القاضی فإذاأمَره القاضی بِالمَنع له أن یمنعھالقیامِه مقامه. ❷

یعنی: کسی مرد کی جوان ماں خوشی یا غمی کے موقع پر باہر نکلے اور اُس کا شوہر بھی نہ ہو تو بیٹے کو ماں کو باہر جانے سے روکنے کا اختیار نہیں ہے جب تک فساد کا یقین نہ ہو جائے اگر فساد کا یقین ہو تو بیٹا اُس معاملے کو قاضی کے پاس لے جائے گا پھر قاضی اُس کو حکم دے گا کہ اپنی ماں کو باہر نکلنے سے روکے چنانچہ بیٹا، قاضی کے قائم مقام بن کر روکے گا۔

اور فقیہ ابو للیث سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۳ھ ❸ اور اُن کے حوالے سے امام برہان الدین ابو المعالی محمود بن صدر الشریعہ ابنِ مازہ بخاری حنفی متوفی ۶۱۶ھ

---

❶ بہارِ شریعت، کتاب النکاح، باب باری مقرر کرنے کا بیان، ۲/۹۹

❷ الفتاوی الھندیة، کتاب النکاح، باب فی القسم، ۱/ ۳۴۲

❸ مجموع النوازل، باب النفقات و السکنیٰ، ق۸۳/ ب، مخطوط مصوّر

[1] لکھتے ہیں: وسُئل محمّدبن مقاتل عن امرَأة لهاأب زمِن وليس له من يقوم علَيه و يكفيه و منعَها الزوج من تعَاهده قال يجوزلهاأنْ تعصى زَوجهاوتطيع آباهاوَ هو فرض عليهَا. (واللّفظ للسمرقندی)

یعنی: محمد بن مقاتل سے ایسی عورت کے بارے میں سُوال ہوا کہ جس کا باپ اپاہج ہو اور کوئی اُس کی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو اور شوہر اُس عورت کو باپ کی دیکھ بھال سے منع کرے، تو فرمایا کہ اُس عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ شوہر کی نافرمانی کرے اور اپنے والد کی اطاعت کرے یہ اُس پر فرض ہے۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

الجمعة، ۲۰ شعبان المعظم ۱٤۲٤ھ/ ۱۷اکتوبر ۲۰۰۳م JIA-540

## رسول اللہ ﷺ کے جھنڈوں کا رنگ

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جھنڈے مبارک کا رنگ سفید تھا یا سیاہ؟ احادیثِ نبویّہ کے حوالے سے تفصیلاً جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

(سائل: حافظ عبد الکریم قادری، کھارادر، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدّس الجواب: حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جھنڈے دو قسم کے تھے: ایک بڑا، دوسرا چھوٹا۔ بڑے جھنڈے کو **"رایہ"** اور چھوٹے کو **"لواء"** کہتے ہیں۔ **"رایہ"** وہ جھنڈا ہوتا ہے جو سپہ سالار کے لئے ہوتا ہے۔ جس پر جنگ ہوتی ہے اور **"لواء"** لشکر کے مخصوص جھنڈے کو کہتے ہیں، جو ہر قبیلے کا مختلف

[1] المحیط البرھانی، کتاب النکاح، الفصل الثانی و العشرون، ٤/ ۲۳٦

ہوتا ہے، اِس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ جس طرف لشکر کا امیر جاتا ہے اُسی طرف وہ جھنڈا جاتا ہے۔ لواء، رایہ سے چھوٹا ہوتا ہے۔

چنانچہ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ (1) اور علامہ زین الله بن عبد الرؤف مناوی متوفی ۱۰۲۱ھ (2) نقل کرتے ہیں: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَتْ رَأْيَتُهُ سَوْدَاءَ، وَلِوَاؤُهُ أَبْيَضَ مَكْتُوْبٌ عَلَيْهِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ.

یعنی: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا رایہ (بڑا جھنڈا) سیاہ رنگ کا تھا اور آپ کا لواء (چھوٹا جھنڈا) سفید رنگ کا تھا، جس پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ لکھا ہوا تھا۔

اور شارحِ بخاری علّامہ ابو الفضل احمد بن علی ابنِ حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں: هُوَ العَلَم الَّذي في الحَرب يُعرَف به مَوضِع صِاحبِ الجَيشِ وقَد يحمله أميرُ الجيش وقَد يدفعه لِمقدَّم العسكَر. (3)

یعنی: رایہ: وہ جھنڈا ہے جس سے جنگ میں لشکر والوں کا مقام معلوم ہوتا تھا اور بعض اوقات اُس جھنڈے کو امیر لشکر اٹھاتا تھا اور بعض اوقات امیر لشکر یہ جھنڈا

---

(1) المعجم الأوسط للطبرانی، باب الألف، من اسمه أحمد، برقم الحدیث: ۱۲۹۰۹، ۱۲/۱۶۰

(2) الرّوض الباسم فی شمائل المصطفی أبی القاسم، الباب الثامن عشر فی رأیته ولوائه ا، برقم الحدیث: ۲۱۶، ص ۱۳۱

(3) فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خیبر، تحت قوله: لأعطین الرأية...إلخ، برقم الحدیث: ۴۲۱۰، ۶۰۶/۹

ہراول دستے کو دیتا تھا۔

اوراحادیثِ نبویہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جھنڈے کے دو رنگ مذکور ہیں ایک سیاہ اور دوسرا سفید۔

چنانچہ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:كَانَتْ رَايَةُ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم سَوْدَاءَوَلِواؤُهُ أَبْيَضَ۔ ❶

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا رایہ (بڑا جھنڈا) سیاہ رنگ کا اور لواء (چھوٹا جھنڈا) سفید رنگ کا تھا۔

اور امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:أَنَّهُ كَانَ لِوَاؤُه يَوْمَ دَخَلَ مَكَّةَ أبيضَ. ❷

یعنی: جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا جھنڈا سفید رنگ کا تھا۔

اور حافظ ابو شیخ عبد اللہ بن محمد بن جعفر اصبہانی متوفی ۳۶۹ھ اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:أَنَّ رَأْيَةَ

---

❶ سُنَن الترمذی، کتاب الجهاد، باب ماجاء فی الرایات، برقم الحدیث: ۱۶۸۱، ۲/ ۵۵٤

❷ سُنَن أبی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الرایات والألویة، برقم الحدیث: ۲۵۹۱، ۳/ ۵۲

رَسُوْلِ اللهِ ا كَانَتْ سَوْدَاءَ وَلِوَاؤُهُ أَبْيَضَ. (1)

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا رایہ سیاہ رنگ کا اور لواء سفید رنگ کا تھا۔

اِسی طرح ایک اور مقام پر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ كَانَ إِذَا عَقَدَ لِوَاءً عَقَدَهُ أَبْيَضَ وَكَانَ لِوَاءُ رَسُوْلِ اللهِ ا أَبْيَضَ. (2)

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب چھوٹا جھنڈا لگاتے تو سفید رنگ کا لگایا کرتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا لواء سفید رنگ کا تھا۔

اور امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: أَنَّهُ كَانَ لِوَاؤُهُ يَوْمَ دَخَلَ مَكَّةَ أَبْيَضَ. (3)

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا چھوٹا جھنڈا سفید تھا جس دن آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مکّہ میں داخل ہوئے۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

الجمعة، ٢٠ شعبان المعظم ١٤٢٤ھ/ ١٧اکتوبر ٢٠٠٣م JIA-554

## ایک دن میں پورا قرآنِ پاک پڑھنا کیسا؟

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں

---

(1) أخلاق النبي ﷺ وآدابه، ذكر لوائه صلى الله عليه وسلم، برقم الحديث: ٤٢٠، ص ١٥٣

(2) أخلاق النبي ﷺ وآدابه، ذكر لوائه صلى الله عليه وسلم، برقم الحديث: ٤٢٣، ص ١٥٥

(3) السُّنَن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب قسم الفيء والغنيمة، باب ماجاء في عقد الألوية و الرايات، برقم الحديث: ١٣٠٦٠، ٦/ ٥٨٩

کہ ایک حافظ صاحب ایک روز میں پورا قرآن پاک اگر سُنائیں یا تین دن میں تو یہ جائز ہے یا نہیں جبکہ وہ بڑی روانی اور خوبصورتی سے پڑھتے ہوں، سمجھ بھی آتا ہو اور الفاظ بھی نہ کٹتے ہوں؟ (سائل: حافظ عبدالکریم قادری، کھارادر، کراچی)

باسمه تعالیٰ وتقدّس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں اگر حافظ صاحب اِس طرح قرآن پڑھیں کہ تمام کلمات و حروف مخارج سے ادا ہو کر واضح طور پر سُنے جائیں اور ایک رات میں قرآن شریف کا ختم ہو جائے تو اِس کے جواز میں حرج نہیں مگر ہمارے لئے افضل یہ ہے کہ قرآن کو کم از کم تین دن میں ختم کیا جائے۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ (1)، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ (2)، امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ (3)، امام ابو عبداللہ بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ (4)، امام ابو محمد ابو عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ (5)، اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن

(1) مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبدالله بن عمرو بن عاص رضي الله عنهما، برقم الحديث: ٦٥٣٥، ٢/ ٦٠١

(2) سُنن الترمذي، كتاب القراءات، باب ما جاء أن القرآن... إلخ، برقم الحديث: ٢٩٤٩، ٤/ ٤٣

(3) سُنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في كم يقرأ القرآن، برقم الحديث: ١٣٩٠، ٢/ ٧٧

(4) سُنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصّلاة والسنّة، باب فی کم یستحب یختم القرآن؟، برقم الحديث: ١٣٤٧، ٢/ ١٥٢

(5) سنن الدارمی، كتاب الصلاة، باب فی کم یختم القرآن؟، برقم الحديث: ١٤٩٣، ١/ ٢٦٤

عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَمْ يَفْقَهْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِيْ أَقَلَّ مِنْ ثَلٰثٍ.

یعنی: جس نے تین دن سے کم میں قرآن ختم کیا اُس نے اُسے نہ سمجھا۔

اور اِس روایت کو امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ (1) نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا اور امام ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ خطیب عمری تبریزی متوفی ۷۴۱ھ (2) نے نقل کیا۔

مذکورہ حدیث کے تحت علامہ ابو الحسن کبیر محمد بن عبد الہادی سندھی حنفی متوفی ۱۱۳۸ھ لکھتے ہیں: (لم يفقه) إخبار بأنه لَا يحصل الفَهم والفقه المقصُود من قراءة القرآن فيما دُون ثلاث. (3)

یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان کہ (اس نے قرآن نہ سمجھا)، یہ اِس بات کی خبر ہے کہ تین دن سے کم میں ختم قرآن سے وہ سمجھ اور فقہ حاصل نہیں ہوتی جو قراءتِ قرآن سے مقصود ہے۔

اور یہی حکم فُقہائے کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں بھی لکھا ہے۔

---

(1) السُنن الكبرىٰ للبيهقى، كتاب الصّلاة، باب: مقدار ما يستحبّ له أن يختم فيه القرآن، ٢/ ٥٥٥

(2) مشكاة المصابيح، كتاب: فضائل القرآن، باب آداب التلاوة دروس القرآن، الفصل الثانى، برقم الحديث: ٢٢٠١، ١/ ٤١٢

(3) حاشيةُ السِّندى على هامش سُنَن ابنِ ماجة، كتاب إقامة الصّلاة والسنة، باب فى كَم يستحب يختم القرآن؟، ٢/ ١٥١، برقم الحديث: ١٣٤٧

چنانچہ علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے:أفضَل القراءة أنْ يتدبر فِي معناه حتى قِيل يكره أنْ يختم القرآن في يومٍ واحدٍ.(1)

یعنی:افضل قراءت یہ ہے کہ اُس کے معانی میں تدبر کرے حتی کہ کہا گیا ہے کہ ایک دن میں ختمِ قرآن مکروہ ہے۔

اِسی طرح امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:اقلِّ مدّت ختمِ قرآن عظیم تین دن مقرر فرمائی مگر اہلِ قُدرت و نشاط بہر عبادت کو ایک شب میں ختم کی بھی ممانعت نہیں۔(2)

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی لکھتے ہیں: ایک رات میں پورا قرآن پڑھنا خوّاص کے لئے تھا، عوام کے لئے یہ حکم ہے کہ کم از کم تین رات میں ختم کرنا چاہئے۔(3)

اور صدر الشریعہ مزید آگے لکھتے ہیں:اِس زمانہ کی حالت کو دیکھتے ہوئے بمقتضائے حدیث کم از کم تین راتوں میں ختم کرنا مناسب ہے۔(4)

واللہ تعالی أعلم بالصواب

الأحد ۲۵ رمضان المبارك ۱٤۲۳ھ، یکم دسمبر ۲۰۰۲م JIA-372

---

(1) الفتاویٰ الهندية، کتاب الکراهية، الباب الرابع:التسبيح و قراءة القرآن والذکر والدعاء و رفع الصوت عند قراءة القرآن، ۵/ ۳۱۷

(2) فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، ۷/ ۴۶۵

(3) فتاویٰ امجدیہ، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، ۱/ ۲۴۰

(4) فتاویٰ امجدیہ، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، ۱/ ۲۴۱

# مسجد میں کسی نیک کام کے لئے مالی معاونت کے اعلان کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ رمضان المبارک میں تقریباً ہر مسجد میں انتظامیہ یا امام صاحب خود اعلان فرماتے ہیں کہ امام، موذّن، خادم پورا سال مسجد کی اور آپ کی خدمت کرتے ہیں لہٰذا آپ اُن کی مالی معاونت فرمائیں، شریعت کی رُو سے یہ اعلان، مسجد انتظامیہ اور امام صاحب کو زیب دیتا ہے یا مسجد انتظامیہ و اہلِ محلّہ خاموشی سے اپنی طرف سے امام، موذّن، خادم کی بہتر مالی معاونت کر دیں؟

(سائل: حاجی الطاف اسماعیل، اولڈ ٹاؤن، میٹھادر، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدّس الجواب: مسجد میں کسی نیک کام میں مالی معاونت کے لئے اعلان کرنا اور عطیات وغیرہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے۔

چنانچہ مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد وقارالدین قادری حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: مسجد میں اُس کے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے امرِ خیر (نیک کام) کے لئے چندہ کا اعلان کرنا اور عطیات وُصول کرنا، جائز ہے۔ (1)

لہٰذا مسجد انتظامیہ مالی مُعاونت کے لئے مسجد میں اعلان کر سکتی ہے اور امام صاحب کو چاہیے کہ وہ اعلان نہ کریں کہ اپنی ذات کے لئے مانگنے والے نہ ہو جائیں۔ مسجد انتظامیہ مالی معاونت کے جس طریقے کو بہتر جانے اُسے اختیار کر سکتی ہے۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

الأحد ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ، یکم دسمبر ۲۰۰۲م JIA-371

---

(1) وقار الفتاویٰ، کتاب المساجد، مسجد کے چندہ کا بیان، ۲/۲۷۵

# ماخذومراجع

**(کلام اللہ عزّوجلّ)**
**(ترجمۃ:کنزالإیمان)**

**1.أحکام القرآن** للجصّاص للإمام أحمد بن علی أبی بکر أحمد الرازی الجصّاص الحنفی(ت ۳۷۰ھ) مطبوعة:دارإحیاءالتراث العربی، بیروت، الطبعة ۱٤۱۲ھ، ۱۹۹۲م

**2.أخلاق النبیﷺ وآدابه** للحافظ أبی الشّیخ عبد الله بن محمّد بن جعفر الأصبهانی (ت ۳٦۹ھ)، مطبوعة:الدّار المصریّة اللبنانیة، الطبعة الثانیة۱٤۱۳ھ.۱۹۹۳م

**3.الاستذکار** لأبی عُمر یوسف بن عبدالله بن محمدالنمری القرطبی (ت ٤٦۳ھ)، مطبوعة: دار الکتب العلمیّة،بیروت،الطبعةالأولیٰ ۱٤۲۱ھ.۲۰۰۰م

**4.الاعتقادالخالص من الشّكّ الانتقاد** للإمام علاؤالدّین علی بن ابراهیم ابن عطّارالشّافعی (ت۷۲۷ھ)،تحقیق الدّکتورسعدالزو یهری، إصدارات وزارة الأوقاف و الشّؤون الإسلامیّة، دولة قطر،الطّبعة الأولیٰ۱٤۳۲ھ.۲۰۱۱م

**5.إمداد الفتّاح شرح نور الإیضاح** للعلّامةحسن بن عمّارالشرنبلالی الحنفی (ت۱۰٦۹ھ)، مطبوعة:دار إحیاء التراث العربی،بیروت،الطبعة الأولیٰ۱٤۲۱ھ -۲۰۰۱م

**6.البحر الرائق شرح کنز الدقائق** للعلّامة الشیخ ز ین الدین بن إبراهیم بن محمد بن بکر المعروف بابن نجیم المصری الحنفی(ت۹۷۰ھ)،مطبوعة:دارالکتب العلمیة، بیروت،الطّبعة الأولیٰ۱٤۱۸ھ. ۱۹۹۷م

**7.بدائع الصّنائع** للإمام علاء الدّین أبی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی (ت۵۸۷ھ)،مطبوعة:دار الکتب العلمیّة، بیروت، الطبعةالأولیٰ۱٤۱۸ھ .۱۹۹۷م

**8.بستان العارفین** للفقیه أبی اللّیث نصربن محمّد بن أحمد السمرقندی الحنفی(ت ۳۷۳ھ)،مطبوعة: مؤسّسة الکتب الثقافیة،الطبعة الثالثة۱٤۱٤ھ .۱۹۹۳م

9. **البناية شرح الهداية** للعلّامةبدرالدين محمودبن أحمدالعينى الحنفى (ت٨٥٥ھ)، مطبوعة: دار الكتب العلميّة، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٠ھ. ٢٠٠٠م

10. **بہارِشریعت** لصدر الشريعة محمد أمجد على الأعظمى الحنفى (ت١٣٦٧ھ)، مطبوعة: مكتبة المدينة، كراتشى، سنّ الطباعة: ١٤٣٥ھ. ٢٠١٤م

11. **تبصرة الأنوار شرح تنوير الأبصار** للعلّامة محمّد بن أبى بكر بروستى الحنفى، مخطوط مصوّر

12. **تُحفة الفُقهاء** للعلّامة علاؤالدين أبى بكر محمّد بن أحمد السمرقندى الحنفى (ت٥٤٠ھ)، مطبوعة: دار الكتب العلميّة، بيروت الطبعة الثانية: ١٤١٤ھ. ١٩٩٤م

13. **التسهيل لعُلوم التنزيل** للعلّامة أبوالقاسم محمّدبن أحمدبن محمّد ابن جزى الكلبى الغرناطى (ت٧٤١ ھ)، مطبوعة: دار الأرقم، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٦ھ

14. **تفسير الخازن المسمّى لُباب التأويل فى معانى التنزيل** للإمام علاء الدين على بن محمد بن إبراهيم البغدادى الشّافعى الشّهير بالخازن (ت٧٢٥ھ)، مطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٥ھ. ٢٠٠٤م

15. **التفسير الكبير** للإمام فخرالدين أبى عبدالله محمدبن عمرالرّازى (ت٦٠٦ھ)، مطبوعة: دار إحياء التراث العربى، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤٢٠ ھ. ١٩٩٩م

16. **التفسيرات الأحمديّة** للعلّامة أحمد بن سعيد مُلّاجيون الحنفى (ت١١٣٠ ھ)، مطبوعة: مدينة بيلشرز، بشاور

17. **تفسير البكرى** للشّيخ الإسلام أبى الحسن محمّد بن محَمد صديقى بكرى (ت٩٥٢ھ)، مطبوعة: دار الكتب العلميّة، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٣٢ھ. ٢٠١٠م

18. **تفسير البيضاوى** للعلّامة ناصرالدين أبى سعيدعبدالله بن عُمرشيرازى البيضاوى (ت ٦٨٥ھ)، مطبوعة: دارإحياءالتراثى العربى، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٨ھ

19. **تفسیر المظھری** علامة قاضی محمّد ثناء الله عثمانی الحنفی (ت ١٢٢٥ھ)، مطبوعة، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، الطبعة الأولی ١٤٢٥ھ. ٢٠٠٤م)

20. **التفسیر المنیر** للدکتور وھبة الزحیلی (ت١٤٤٦ھ)، مطبوعة: دار الفکر، دمشق، الطبعة الثانیة ١٤١٨ھ

21. **تقریرات الرّافعی علیٰ ردّ المحتار** للعلّامة عبد القادر الرافعی طرابلسی الحنفی (ت١٣٢٣ھ)، مطبوعة: دار المعرفة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٠ھ. ٢٠٠٠م

22. **تنقیح الفتاویٰ الحامدیّة (العُقود الدّریة فی تنقیح الفتاویٰ الحامِدیة)** للإمام الھمام الفقیه العلّامة السید محمّد أمین بن عمر عابدین الشامی الحنفی (ت١٢٥٢ھ)، مطبوعة: مکتبة حقانیة، بشاور

23. **تنویر الأبصار** للشیخ محمد بن عبد الله بن أحمد الغزی الحنفی التمرتاشی (ت١٠٠٤ھ) مع شرحه الدر المختار، مطبوعة: دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٣ھ. ٢٠٠٢م

24. **الجوھَرة النّیرة** للإمام أبی بکر بن علی الحنفی المعروف بالحدّادی العبادی (ت٨٠٠ھ)، مطبوعة: دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٧ھ. ٢٠٠٦م

25. **حاشیة السِّندی علیٰ ھامش سُنَن ابن ماجة** للعلّامة أبی الحسن کبیر محمد بن عبد الھادی السندی الحنفی (ت١١٣٨ھ)، مطبوعة: دار الکتب العلمیّة، بیروت، الطّبعة الأولیٰ ١٤١٩ھ-١٩٩٨م

26. **حاشیة الطّحطاوی علیٰ مَراقی الفَلاح** للإمام أحمد بن محمد بن إسماعیل الطحطاوی الحنفی (ت١٢٣١ھ)، مطبوعة: دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٨ھ. ١٩٩٧م

27. **الحدیقة النّدیة** شرح الطریقة المحمدیة للعلّامة عبد الغنی بن اسماعیل النابلسی الدمشقی الحنفی (ت١١٤٣ھ)، مطبوعة: مکتبة فاروقیة، بشاور

28. **خِزانة العُلماء** للملّا عبد الرّحیم الحنفی، مخطوط مصور، محفوظ در لائبریری جمعیت اشاعت اھلسنّت

29.**خزائن العرفان** لصدر الأفاضل السيّد محمّد نعيم الدين الحنفى (ت١٣٦٧هـ)، مطبوعة:ضياء القرآن، لاهور

30.**خُلاصة الفتاوىٰ** للشيخ طاهر بن أحمد بن عبد الرشيد بن الحسن الإمام افتخار الدين البخارى الحنفى السّرخسى(ت٥٤٢هـ) مع مجموعة الفتاوى، مكتبة رشيدية،كوئتة

31.**الدّرالمختارشرح تنويرالأبصار** للعلّامةعلاؤالدين محمد بن على الحصكفى الحنفى (ت١٠٨٨هـ) ،مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولىٰ ١٤٢٣هـ.٢٠٠٢م

32.**الدُّرالمنتقىٰ فى شرح الملتقىٰ** للعلّامةعلاؤالدّين محمّدبن على الحصكفى الحنفى(ت١٠٨٨هـ)

33.**الدُّرر الحكّام فى شرح غُرر الأحكام** للعلّامة محمد بن فراموز بن على الشهير بمنلا خسرو شيخ الإسلام الرومى الحنفى(ت٨٨٥هـ)،مطبوعة:مير محمد كتب خانه،كراتشى

34.**ذخيرة الفتاوىٰ(الذّخيرة البُرهانية)** للإمام برهان الدّين أبى المعالى محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر البخارى الحنفى المعروف بابن مازة (ت٦١٦هـ)، مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولىٰ ١٤٤٠هـ-٢٠١٩م

35.**ردّ المحتار علىٰ الدّرالمختار** للإمام الفقيه العلّامة السيد محمد أمين بن عمر عابدين الشامى الحنفى (ت ١٢٥٢هـ)،مطبوعة:دار المعرفة،بيروت،الطبعة الأولىٰ١٤٢٠هـ. ٢٠٠٠م

36.**الرّوض الباسم فِى شمائل المصطفىٰ أبى القاسم** للعلّامة زين الله بن عبد الرؤوف المناوى الشّافعىّ (ت١٠٢١هـ) مطبوعة: دار البشارة، دمشق، الطبعةالأولىٰ١٤٢١هـ.٢٠٠٠م

37.**سُلّم الفَلاح شرح نُورالإيضاح** للعلّامه عثمان بن يعقوب بن حسين الكماخى ثم الإسلامبولى الحنفى،مخطوط مصوّر

**38.سُنَن ابن ماجة** للإمام المحدّث أبی عبد الله محمّد بن یزید القُزوینی (ت۲۷۳ھ)،مطبوعة:دارالکتب العلمیة،بیروت، الطبعة الأولیٰ۱٤۱۹ھ. ۱۹۹۸م

**39.سُنَن أبی داود** للإمام الحافظ المصنف المتقن أبی داود سلیمان بن الأشعث السّجستانی الأزدی (ت ۲۷۵ھ)، مطبوعة:دار ابن حزم،بیروت،الطّبعة الأولیٰ۱٤۱۸ھ. ۱۹۹۷م

**40.سُنَن التّرمذی** للإمام أبی عیسیٰ محمّد بن عیسیٰ بن سورة التّرمذی (ت۲۷۹ھ)،مطبوعة:دار الکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الأولیٰ۱٤۲۱ھ ۲۰۰۰م

**41.سُنَن الدّار قُطنی** للإمام الحافظ علی بن عُمر الدّار قطنی(ت۳۸۵ھ)، مطبوعة:دار الکتب العلمیة، بیروت،الطبعة الأولیٰ۱٤۱۷ھ. ۱۹۹٦م

**42.سُنَن الدّارمی** للإمام أبی محمّدعبدالله بن عبدالرّحمٰن الدّارمی(ت ۲۵۵ھ)، مطبوعة:دار الکتب العلمیّة،بیروت،الطبعةالأولیٰ۱٤۱۷ھ.۱۹۹٦م

**43.السُّنَن الکبریٰ** للإمام الحافظ أبی بکر أحمد بن الحسین البَیهقی (ت٤۵۸ھ)،مطبوعة:دار الکتب العلمیة،بیروت،الطبعة:۱٤۲۰ھ.۱۹۹۹م

**44.شرح المقاصد** للعلّامة سَعدالدّین مسعود بن عُمر تفتازانی (ت۷۹۳ھ)،مطبوعة:دارالکتب العلمیة، بیروت،الطبعة الأولیٰ۱٤۲۲ھ ۲۰۰۱م.

**45.صحیح مسلم** للإمام مُسلم بن الحجّاج القشیری النّیسابوری (ت۲٦۱ھ)، مطبوعة:دارإحیاء التراث العربی،بیروت

**46.الطّریقة المحمّدیة** للعلّامة محمّد بن بیرعلی آفندی رومی بَرکَلی الحنفی (ت۹۸۱ھ)، مطبوعة:مکتبة فاروقیة،بشاور

**47.العَطایا النّبویّة فی الفتاویٰ الرّضویّة** لإمام أهل السنة الحاج الحافظ القاری الشاه أحمد رضا خان الحنفی (ت۱۳٤۰ھ)، مطبوعه:رضافاؤنڈیشن ، لاهور،طبعة:۱٤۲۷ھ-۲۰۰٦م

48.**عُمدة الرّعاية على شرح الوِقاية** للعلّامة عبدالحیٔ بن عبدالحلیم لکھنوی الحنفی (ت١٣٠٤ھ)، مطبوعة:دار الکتب العلمية،بیروت،الطبعة الأولیٰ ٢٠٠٩م

49.**العِناية شرح الهِداية** للعلّامة أکمل الدین محمّدبن محمّد بابرتی الحنفی (ت٧٨٦ھ)،مطبوعة:دار الکُتب العلمیّة،بیروت،الطبعة الأولیٰ ١٤٢٨ھ ٢٠٠٧م

50.**غُنية المستملی فی شرح مُنية المصلّی** للعلّامة إبراهیم بن محمد بن إبراهیم الحلبی الحنفی (ت ٩٥٦ھ)، مطبوعة:مکتبۂ نُعمانیّة،کوئٹة

51.**الفَتاویٰ البزّازیة علیٰ هامش الهندية** للشیخ الإمام حافظ الدین محمد بن محمد بن شهاب المعروف بابن البزّار الکَردری الحنفی(ت٨٢٧ھ)، مطبوعة: دارالمعرفة، بیروت،الطبعة الثالثة١٣٩٣ھ-١٩٧٣م

52.**الفتاویٰ التاتارخانية** للإمام الفقیه عالم بن علاء الأندربتی الحنفی (ت٧٨٦ھ)، مطبوعة:مکتبة فاروقية، کوئٹة

53.**الفتاویٰ الخیریّة علیٰ هامِش تنقیح الفتاویٰ الحامِدية** للعلّامة خیر الدین بن أحمد الأیوبی الرملی الحنفی (ت١٠٨١ھ)،مطبوعة:مکتبة حقانية،بشاور

54.**الفتاویٰ الصغریٰ** للعلّامة حسَام الدِین شهیدعُمر بن عبدالعزیزابنِ مازه الحنفی (ت ٥٣٦ھ)، مخطوط مصوّر

55.**الفتاویٰ الکاملیّة** للعلامة کامل بن مصطفیٰ الحنفی،مکتبة حقانية، بشاور،باکستان

56.**فتاویٰ النسَفيّة** للشیخ الإمام أبی البَرکات عبد الله بن أحمد بن محمُود المعروف بحافظ الدین النّسفی الحنفی (ت ٧١٠ھ)،مخطوط،مُصوّر

57.**الفتاویٰ الهنديّة** للعلّامة الهمّام مولانا الشیخ نظام الدین الحنفی (ت١٠٩٢ھ) وجماعة من عُلماء الهند الأعلام،مطبوعة:دارالمعرفة،بیروت،الطبعة الثالثة ١٣٩٣ ھ -١٩٧٣م

58.**فتاویٰ أمجديّة** لصدر الشریعة محمد أمجد علی الأعظمی الحنفی (ت١٣٦٧ھ)، مطبوعة:مکتبة رضویة،کراتشی،سنّ الطباعة:١٤٣٤ھ- ٢٠١٣م

59.**فتاویٰ قاضیخان علیٰ ہامش الهندیۃ** للإمام فخر الدین حسن بن منصور الأوزجندی الفرغانی الحنفی(ت٥٩٢ھ)،مطبوعة:دار المعرفة،بیروت، الطبعة الثالثة١٣٩٣ھ.١٩٧٣م

60.**فتح الباری شرح صحیح البخاری** للعلامة أبی الفضل أحمد بن علی ابن حجر العسقلانی الشافعی (ت ٨٥٢ ھ)،مطبوعة:دار الکتب العلمیّة، بیروت، الطبعة الثالثة١٤٢١ھ.٢٠٠٠

61.**فتح القدیر** للعلامة کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید بن مسعود السیواسی ثم السکندری المعروف بابن الهمام(ت٨٦١ھ)، مطبوعة:دار إحیاء التراث العربی،بیروت

62.**القُنیة المنیة**للعلامةأبی الرّجاءنجم الدین مختاربن محمدالزاهدی الحنفی (ت٦٥٨ھ)،مخطوط مصوّر

63.**کتاب المبسوط** لشمس الأئمة محمّد بن أحمد بن أبی سَهل السّرخسی أبی بکر الفقیه الحنفی(ت ٤٨٣ھ)، مطبوعة:دار الفکر،بیروت،الطبعة الأولیٰ١٤٢١ھ ٢٠٠٠م

64.**کنز الدّقائق** للشیخ الإمام أبی البرکات عبد الله بن أحمد بن محمود المعروف بحافظ الدین النسفی (ت٧١٠ھ)،مطبوعة:دار البشائر الإسلامیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ١٤٣٢ھ.٢٠١١م

65.**کنزالبیان مختصرتوفیق الرّحمن** للشّیخ مصطفیٰ بن محمدبن یونس الطائی الحنفی (ت١١٩٢ھ)،مطبوعة:دار الکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الأولیٰ ١٤١٩ھ.١٩٩٨م

66.**مجموع النّوازل** للإمام أبی اللّیث نصربن محمدالسمرقندی الحنفی (ت٣٧٣ھ)،مخطوط مصوّر

67.**المحیط البُرهانی** للإمام برهان الدین أبی المَعالی محمود بن أحمد بن عبد العزیز بن عمر البخاری الحنفی المعروف بابن مازة (ت٦١٦ھ)،مطبوعة:دارالکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الأولیٰ١٤٢٤ھ.٢٠٠٤

68.**مختصر القدوری** للإمام أبی الحسین أحمد بن محمد بن أحمد بن جعفر بن حمدان

القدوری البغدادی الحنفی(ت٤٢٨ھ)،مطبوعة:دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ١٤١٨ھ-١٩٩٧م

**69.مَدارِك التّنزيل وحقائق التأويل** للإمام أبی البَرکات عبدالله بن أحمدالنسفی الحنفی (٧١٠ھ)، مطبوعة:دار الفکر،بیروت

**70.مَراقِی الفَلاح شرح نور الإيضَاح** للعلّامة أبی الإخلاص حسن بن عمّار بن یوسف الوفائی المصری الشرنبلالی الحنفی (ت١٠٦٩ھ)،مطبوعة:دارالکتب العلمیّة،بیروت،الطبعة الأولیٰ ١٤١٥ھ –١٩٩٥م

**71.مِرقاة المفاتيح** للعلّامة نور الدین علی بن سلطان القَاری الهَروی الحَنَفی (ت١٠١٤ھ)، مطبوعة: دار الکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الأولیٰ ١٤٢٢ ھ-٢٠٠١م

**72.المسند لأحمد** للإمام الحافظ أحمدبن محمّد بن حنبل(ت٢٤١ھ)،مؤسّسة الرسالة،بیروت، الطبعة الأولیٰ١٤١٦ھ.١٩٩٥م

**73.مُسندأبی داوٗد الطّيالسی** للإمام أبی داوٗدسلیمان بن داوٗد الطیالسی البصری (ت٢٠٤ھ)، مطبوعة: دارھجر، مصر، الطبعة الأولیٰ١٤١٩ھ.١٩٩٩م

**74.مِشكاة المصَابيح** للإمام ولی الدین أبی عبدالله محمّدبن عبدالله الخطیب العمری التبریزي (ت٧٤١ ھ)،مطبوعة:دارالکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الأولیٰ ١٤٢٤ھ.٢٠٠٣م

75.**المعتصرمن المختصرمن مُشكِل الآثار**للأبیالمحاسن جمال الدین یوسف بن موسیٰ بن محمّد ملطی الحنفی (ت٨٠٣ھ)،مطبوعة:عالم الکتب،بیروت

**76.المعجم الأوسَط** للإمام الحافظ أبی القاسم سُلیمان بن أحمد بن أیوب اللّخمی الطّبرانی (ت٣٦٠ھ)، مطبوعة:دار الکتب العلمیّة،بیروت،الطبعة الأولیٰ ١٤٢٠ھ.١٩٩٩م

**77.مقالات الكاظِمی** للعلّامة سید أحمدسعید الکاظمی الحنفی(ت ١٤٠٦ھ)،ناشر:برکاتی بلیشرز، کراتشي

**78.مُلتقی الأبحُر** للشیخ الإمام إبراهیم بن محمد الحلبی الحنفی (ت٩٥٦ھ)،

مطبوعة: دار السلام، الطبعة الأولىٰ ١٤٤٣هـ. ٢٠٢٢م

**79.مَنْ يَكْفُرُوَلَا يَشْعُرُ** للعَلّامة قاسم بن قطلوبغا الحنفی (ت ٨٧٩هـ)، مطبوعة: دار المقتبس، الطبعة الأولىٰ ١٤٣٥هـ. ٢٠١٤م

**80.مِنحة الخالِق علیٰ البحر الرائق** للعلّامة السيّد محمّد أمين ابن عابدين الشامی الحنفی (ت ١٢٥٢ هـ)، مطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٨هـ-١٩٩٧م

**81.مهتدیٰ الأنهر إلیٰ مُلتقیٰ** الأبحر للعلّامة عثمان وحدتی أردنوی الحنفی، مخطوط مصوّر

**82.الموطّاء للإمام مالك** للإمام مالك بن أنس (ت١٧٩هـ)، مطبوعة: دار إحياء التراث العربی، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٨هـ . ١٩٩٧م

**83.نُزهة القَاری شرح صحيح البخاری** للمفتی محمّد شريف الحق الأمجدی الحنفی (ت١٤٢٠هـ)، مطبوعة: فريد بُك سٹال، لاهور، الطبع الثّانی ١٤٢٨هـ. ٢٠٠٧م

**84.النّقاية مختصر الوِقاية** لصَدر الشّريعة عُبيدالله بن مسعود بن تاج الشريعه محمود بن صدر الشريعه أكبر المحبوبی الحنفی (ت٧٤٧هـ)، مطبوعة: دار السلطان

**85.النّهر الفَائق شرح كنز الدّقائق** للسراج الدين عمر بن إبراهيم ابنِ نجيم المصری الحنفی (ت١٠٠٥)، مطبوعة: دار الكتب العلمية، الطبعة الاولىٰ ١٤٢٢هـ-٢٠٠٢م

**86.الهِداية فی شرح بداية المبتدی** لشيخ الإسلام برهان الدين علی بن أبی بكر المرغينانی الحنفی (ت٥٩٣هـ)، مطبوعة: دار الأرقم، بيروت

**87.وقار الفتاویٰ** للمفتی الأعظم باكستان المفتی محمد وقار الدين الحنفی القادری (ت ١٤١٣هـ)، مطبوعه: بزم وقار الدين، كراتشی، طبعة: ١٤١٩هـ- ١٩٩٨م

## جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان

کی ایک دلکش کاوش

### شانِ الوہیت وتقدیسِ رسالت کا امین

کوثر و تسنیم سے دھلے الفاظ، مشک و عنبر سے مہکا آہنگ

عشق وادب کی حلاوتوں کا ماخذ

ترجمہ قرآن

# کنزالایمان

از

اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت امام احمد رضا علیہ الرحمہ

اب پشتو زبان میں دستیاب ہے